ایمان اور زندگی

مصنّف
علامہ یوسف القرضاوی

ترجمہ و تلخیص
عبدالحمید صدیقی

اِسلامک پبلشنگ ہاؤس
۲- شیش محل روڈ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

ایمان اور زندگی

مصنّف
علامہ یوسف القرضاوی

ترجمہ و تلخیص
عبدالحمید صدیقی

اسلامک پبلشنگ ہاؤس
۲۔ شیش محل روڈ لاہور

Marfat.com

25376

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طابع : منیر احمد
ناشر : اسلامک پبلشنگ ہاؤس
۲۔ شیش محل روڈ لاہور

اشاعت اول : جنوری ۱۹۷۶ء : ۱۰۰۰ دوم فروری ۷۹ء ۱۰۰۰
قیمت : ۱۵ روپے
کتابت : نادر رقم ۔ گوجرانوالہ

زیر اہتمام ادارہ معارف اسلامی کراچی

دار نشر الکتب الاسلامیۃ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

فہرست مضامین

عرضِ ناشر	ناشر	صفحہ ۹
ابتدائیہ	از عبدالحمید صدیقی	۱۰
مقدمہ	از مصنف	۱۶
پہلا باب :	ایمان کے عناصرِ اساسی اور اس کی امتیازی خصوصیات	۲۶
	حقیقتِ ایمان	۲۸
	عقیدہ و رائے کا فرق	۲۹
	ایمان کے مشتملات	۳۰
	ایمان باللہ	۳۱
	ایمان بالرسالت	۳۴
	ایمان بالآخرت	۳۶
	ایمان کی امتیازی خصوصیات	۳۸
دوسرا باب :	انفرادی زندگی پر ایمان کے اثرات	۴۲
	ایمان اور تکریم انسان ۔ انسان مادہ پرستوں کی نظر میں	۴۵
	انسان اہلِ ایمان کی نظر میں	۴۶
	اللہ کے ہاں انسان کا مرتبہ و مقام	۴۷
	ملاءِ اعلیٰ میں انسان کا مرتبہ	۴۸
	عالم مادی میں انسان کا مرتبہ و مقام	۴۸
	علمائے اسلام کے نزدیک انسان کا مقام	۴۹

Marfat.com

شرفِ انسانی کے بعد عزتِ ایمانی ۴۸
انسان کے بارے میں اسلام اور مادیت کے تصورات میں فرق
انسان کی حیثیت و منزلت ۴۹
انسان کی فطرت ۵۰
انسان کا وظیفۂ حیات اور اس کی غائیت۔ ۵۱

ایمان اور سعادت و سکینت ۵۳

کیا مادی عیش و عشرت کا نام سعادت ہے؟ ۵۳
کیا سعادت کا راز اولاد میں مضمر ہے؟ ۵۵
کیا حقیقتِ سعادت تجرباتی علم ہے؟ ۵۵
سعادت عینِ ایمان ہے۔ ۵۶
اطمینانِ قلب ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ ۵۷
اسبابِ سکینت ۵۸
مومن اپنی حقیقت سے واقف ہوتا ہے ۵۸
مومن کی راہ اور منزل واضح ہوتی ہے۔ ۵۹
مومن موجودات سے مانوس ہوتا ہے۔ ۶۰
مومن کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ ۶۱
نماز اور دعا بھی اسبابِ سکینت میں سے ہیں ۶۲
مومن کی زندگی حسرت ناک نہیں ہوتی۔ ۶۳

ایمان اور رضا ۶۵

مومن اپنی ذات اور اپنے رب سے راضی ہوتا ہے۔ ۶۶
مومن حیات و کائنات سے بھی راضی ہوتا ہے۔ ۶۷
مومن انعاماتِ خداوندی کا گہرا احساس رکھتا ہے۔ ۶۹
مومن اللہ کی تقدیر پہ راضی ہوتا ہے۔ ۶۹

Marfat.com

مومن اللہ کے عطا کردہ رزق پر راضی ہوتا ہے۔ ۷۰

ایک نوجوان کا قصہ ۷۲

قناعت ورضا سرچشمۂ قوت ہیں۔ ۷۴

ایمان اور طمانیتِ قلب ۷۷

محرومِ ایمان کا اضطراب اور صاحبِ ایمان کا سکون ۷۷

ایمان ہی اصل سرچشمۂ امن ہے۔ ۷۸

منکرین اور متشککین کے اندیشے۔ ۷۹

مومن رزق کے معاملہ میں مطمئن رہتا ہے۔ ۷۹

مومن موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ ۸۰

ایمان اور امید ۸۲

یاس اور کفر لازم وملزوم ہیں۔ ۸۳

ایمان امید کو جنم دیتا ہے۔ ۸۳

مومن اور مادہ پرست کی امیدوں کا فرق۔ ۸۴

امید زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ ۸۵

ایمان اور محبت ۸۸

اللہ تعالیٰ کی محبت ۸۹

جملہ موجودات سے محبت ۹۰

زندگی سے محبت ۹۱

موت سے محبت ۹۱

ابنائے نوع سے محبت ۹۲

مومن کا سینہ حسد وبغض سے پاک ہوتا ہے۔ ۹۳

ایثار وقربانی اہل ایمان کی خصوصیت ہے۔ ۹۴

محبت کے زیر اثر بغض وکراہت کا وجود ۹۶

Marfat.com

ایمان اور استقامت ۹۷

اہل ایمان کی استقامت کی مثالیں ۹۸

منکرینِ خدا مصیبتوں سے زیادہ گھبراتے ہیں ۔ ۱۰۱

اہلِ ایمان کی استقامت اور اس کا ماخذ ۱۰۱

تقدیر پہ ایمان مومن کے لئے ابتلاء کو آسان بنا دیتا ہے ۔ ۱۰۲

مصائبِ دنیا اہلِ ایمان کی نظر میں ۔ ۱۰۳

ملحدین کا اعترافِ حقیقت ۔ ۱۰۴

تیسرا باب : اجتماعی زندگی پر ایمان کے اثرات ۱۰۵

ایمان اور حیاتِ اجتماعی ۱۰۷

ایمان اور اجتماعی اخلاق ۱۰۹

کیا طبیعت و جبلت انسان کی اجتماعی زندگی کی رہنمائی کیلئے کافی ہے ؟ ۱۰۹

تنہا قانون انسانی زندگی کو منضبط نہیں کر سکتا ۔ ۱۱۰

فلسفۂ اخلاق بھی کافی نہیں ۔ ۱۱۱

عقیدہ و ایمان ۱۱۲

سر و سامانِ حیات کی محبت اور اس کے اجتماعی اخلاق پر مضر اثرات ۔ ۱۱۵

طبیعت و جبلت کی قوت اور ایمان کی قوت ۔ ۱۱۶

ایمان انانیت کو فطری حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا ۔ ۱۱۹

انسان پہ عادات و میلانات کا تسلط ۱۲۳

ایمان کو ہر چیز پہ بالادستی حاصل ہے ۔ ۱۲۴

ایمان بحیثیت اساسِ اخلاق ۱۲۷

ضمیر اور ایمان ۱۲۸

صوفیا اور احتسابِ نفس ۱۳۰

Marfat.com

نورِ ایمان سے منوّر ضمیر کا اعجاز ۱۴۳

ایمان ایک زبردست داعیۂ اصلاح ۱۴۴

ایک شبہ کا ازالہ ۱۴۵

ڈاکٹر ہنری لنک کی شہادت ۱۴۵

ضمیر بلا ایمان کی حقیقت ۱۴۹

اجتماعی اخلاق کے چند نمایاں پہلو ۱۵۱

انفاق و ایثار۔ ۱۵۱

اہلِ ایمان کے بذل و ایثار اور سعی و جہاد کے نمونے۔ ۱۵۳

ایمان اور جذبۂ رحمت۔ ۱۵۷

اسلامی معاشرہ میں آثارِ رحمت و شفقت۔ ۱۵۹

مادہ پرستوں کی قساوتِ قلبی۔ ۱۵۹

مومن خوفِ خدا کے زیرِ اثر کام کو اچھی طرح انجام دیتا ہے۔ ۱۶۱

ادائے فرض میں استقامت ۱۶۲

مومن خدا کی زمین کو آباد کرتا ہے۔ ۱۶۳

توکل کا صحیح مفہوم۔ ۱۶۴

ایمان ایک عظیم قوّت ۱۶۵

مومن کے نزدیک قوت کے مصادر ۱۶۵

ایمان جتنا مضبوط ہو قوت کا احساس اتنا ہی شدید ہوتا ہے۔ ۱۶۹

العلم والایمان ۱۷۲

علم اور ایمان کے مختلف دوائرِ عمل۔ ۱۷۲

علم کے نتائج قطعی و یقینی نہیں ہوتے۔ ۱۷۳

علمی پختگی ایمان کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ ۱۷۳

عقل و نفسیات کا معاملہ ۱۷۵

Marfat.com

شخصی آزادی اور اس کے نتائج ۔ ۱۷۶

ایمان اور حیاتِ دنیا ۔ ۱۷۸

الایمان والاصلاح ۱۸۰

اقفالِ حیات کے لئے واحد کلید ۔ ۱۸۲

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

وطنِ عزیز کی اساس۔ اسلامی نظریۂ زندگی کے ماسوا کچھ نہیں۔ ماضی میں اسی بنیاد پر پاکستان کی عظیم الشان عمارت قائم ہوئی اور آئندہ بھی اس کی مضبوطی و استحکام ہی ہمارے قومی و ملی وجود کا ضامن ہوگا۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر نہایت شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ نظریۂ اسلامی کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے اور فکر و نظر کے جملہ پہلوؤں پر اس کی برتری و تفوق کو سائنٹیفک انداز سے ثابت کر دیا جائے تاکہ جدید نسل کے ذہنوں میں یہ نظریہ گہری جڑیں پکڑ سکے۔

جہاں تک اسلامی عقائد و تعلیمات کی نشر و اشاعت کا تعلق ہے۔ بلاشبہ اس باب میں قابلِ قدر کام ہوا ہے تاہم ملحدانہ افکار و تصورات کا جو سیلاب مشرق و مغرب سے امڈا چلا آ رہا ہے جب اس کی تخریب کاریوں پر نگاہ پڑتی ہے تو اپنے ہاں کی تعمیری و اصلاحی کوششیں ناکافی محسوس ہونے لگتی ہیں۔ یہی احساس "اسلامک پبلشنگ ہاؤس" کے قیام کا باعث ہے۔ اس ادارے کے ذریعے ہماری کوشش ہوگی کہ ایسی مطبوعات منصۂ شہود پہ آئیں جو اسلام کے حیات آفریں عقائد، بلند اور عظیم اخلاق اور صحت مند افکار کی آئینہ دار ہوں۔ واللہ الموفق وعلیہ التکلان۔

نقشِ اوّل کے طور پر دنیائے عرب کی مشہور علمی شخصیت علامہ یوسف القرضاوی کی عربی تالیف **الایمان والحیٰوۃ** کا اردو ترجمہ و تلخیص "ایمان اور زندگی" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اُمید واثق ہے کہ قارئین کرام ایمان کی قدر و منزلت اور اہمیت سے واقف ہو جائیں گے اور حیاتِ انسانی پہ اس کے جو گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان سے بھی محروم نہ رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

اس ضمن میں ہم ادارہ معارفِ اسلامی کراچی کے ممنون ہیں کہ جس نے ہمیں زیرِ نظر کتاب کی اشاعت کے حقوق دیئے۔ علاوہ ازیں جناب عبدالحمید صدیقی صاحب کے بھی ہم شکر گزار ہیں جنہوں نے کمالِ شفقت سے ہمیں علمی تعاون کا یقین دلایا ہے۔

منیر احمد

لاہور: رجب ۱۳۹۵ھ۔ جولائی ۱۹۷۵ء

Marfat.com

ابتدائیہ

زیرِ نظر کتاب دُنیائے عرب کے نامور مصنّف علامہ یُوسف القرضاوی کی عربی تالیف "الایمان والحیٰوۃ" کی تلخیص ہے جس کی متعدد اقساط ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں شائع ہو چکی ہیں اور اب افادۂ عام کی غرض سے انہیں یکجا کر کے کتابی صُورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

علامہ موصوف نے اس کتاب میں ایمان اور حیاتِ انسانی کے مابین گہرے ربط کو واضح کرتے ہوئے اس کے انفرادی و اجتماعی دوائر پر ایمان کے اثرات بیان کیے ہیں، نیز تفصیل سے بتایا ہے کہ دنیا میں حقیقی سعادت سے ہمکنار ہونے کے لیے دولتِ ایمان کا حصول ازبس ضروری ہے۔

ایمان کیا ہے؟ بعض غیر مرئی اور نامشہود حقائق کا اقرار و تصدیق۔ ایسا اقرار جو انسان کے رگ و پے میں رچ بس جائے کہ اُٹھتے بیٹھتے زبان سے اسی کا اظہار ہو اور ایسی تصدیق کہ اس کے متعلق دِل میں ریب و تشکک کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ یہی تصدیق و اقرار انسان کے افکار و نظریات کا صُورت گر ہو۔ اسی کے سانچے میں اس کے اقوال و اعمال ڈھل جائیں اور زندگی کا معاشرتی و اجتماعی ڈھانچہ بھی سراسر اسی کے مطابق تعمیر ہو۔

آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَ	میں اللہ پہ ایمان لایا، اس کے فرشتوں پہ،
کُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	اس کی کتابوں پہ، اس کے رسولوں پہ اور یوم
وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ	آخرت پہ اور اس بات پہ کہ اچھی اور بری تقدیر

Marfat.com

تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

کا خالق اللہ ہے اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر بھی ایمان لایا

حافظ ابنِ کثیرؒ نے ایمان کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا:-

اما الایمان فی اللغة فیطلق علی التصدیق المحض وقد یستعمل فی القران والمراد به ذلك كما قال تعالیٰ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وكما قال اخوة یوسف لابیهم وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِیْنَ وكذالك اذا استعمل مقرونا مع الاعمال كقوله تعالیٰ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فاما اذا استعمل مطلقا فالایمان الشرعی المطلوب لایكون الا اعتقادا وقولا و عملا (تفسیر ابن کثیر طبع بدار احیاء الکتب العربیہ صنہ۴)

لغت میں لفظ ایمان کا اطلاق تصدیق محض پر ہوتا ہے اور قرآن میں اس کا یہ مفہوم مستعمل بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (رسولؐ) اللہ کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہل ایمان کی باتوں کی تصدیق بھی کرتا ہے یا جیسا کہ برادرانِ یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا "آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں" اسی طرح اگر ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر اکٹھا آئے تو اس وقت بھی لفظ ایمان کا یہی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (تمام انسان خسارے میں ہیں) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے تصدیق کی اور نیک اعمال کئے اور جب مطلق طور پر لفظ ایمان استعمال ہو تو اس وقت مطلوبہ شرعی ایمان مراد ہوتا ہے جو اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ایمان کی اس تشریح پر کوئی صاحب اعتراض کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا' پھر آپ محض قول و اعتقاد کے ساتھ عمل کی قید کیوں لگاتے ہیں؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر محض لا الٰہ الا اللہ کہہ دینا ہی انسان کی نجات کے لیے کافی ہوتا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی رحیم و شفیق ہستی امت کو کبھی تکلیف عمل نہ دیتی۔ اور نہ خود ہی ساری عمر قرآن کے احکام و تعلیمات پر عمل پیرا رہتی' بلکہ سرے سے قرآن ہی مجموعۂ احکام کی شکل میں نازل نہ ہوتا۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ آپؐ نے خود بھی آخر

Marfat.com

دم تک احکام اسلام پر عمل کیا اور صحابہؓ کرام کو بھی اسی چیز کی تعلیم دی، لہٰذا آپؐ کے اس فرمان کا مفہوم آپؐ کی زندگی کے مجموعی عمل کی روشنی میں ہی متعین کیا جائے گا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ائمہ کرام اور محدثین عظام نے مندرجہ بالا ارشادِ رسولؐ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس شخص نے صرف کلمہ ہی پڑھا ہو اور مہلتِ عمل ملنے سے پیشتر ہی وہ وفات پا گیا تو اسے محض لاالٰہ الاّاللہ کے اقرار کی بنا پر ہی جنّت میں داخل کر دیا جائے گا۔

بعض شارحینِ حدیث نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ نہیں فرمایا کہ کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والا جو عمل سے بالکل عاری ہو وہ بغیر کسی سزا کے جنّت میں داخل ہو جائے گا بلکہ اس سے آپؐ کی مراد یہ ہے کہ عمل نہ کرنے کی سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اس کلمہ کی بدولت وہ جنّت میں داخل ہو جائے گا، دخولِ اوّل کی سعادت اسے حاصل نہ ہو سکے گی۔

گذارش کرنے کا منشا یہ ہے کہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ایمان محض قول اور اعتقاد ہی کا نام نہیں بلکہ عمل کو بھی مستلزم ہے۔

صحیحین کی ایک روایت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایمان کے مستلزمِ عمل ہونے کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الایمان بضع وسبعون شعبة فافضلها قول لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان (متفق علیه)	حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ ایمان کی ستّر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، ان میں سب سے افضل لاالٰہ الاّاللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے اذیت رساں چیز کو ہٹانا ہے۔ نیز فرمایا کہ حیا بھی ایمان ہی کی ایک شاخ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیثِ پاک کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابوبکرؒ احمد بن الحسین البیہقی نے اپنی مشہور تالیف شعب الایمان میں جن امور کے اقرار و تصدیق اور اتباع و عمل کو دائرہ ایمان میں شامل کیا ہے، ان کا یہاں ذکر کر دیا جائے، امامِ موصوف نے ایمان کے ستّر سے کچھ اوپر

Marfat.com

شعبوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے ـــ ہم یہاں امام کے بیان کردہ دلائل کا ذکر نہیں کریں گے صرف شعب الایمان کے عنوانات دینے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

۱۔ لاالٰہ الا اللہ کا اقرار، ۲۔ انبیاء و رسل کی تصدیق، ۳۔ ملائکہ کو ماننا، ۴۔ قرآن اور دیگر کتب آلٰہی کو ماننا، ۵۔ تقدیر کے خیر و شر کو من جانب اللہ سمجھنا، ۶۔ یوم آخرت کا یقین، ۷۔ بعث بعد الموت کا اقرار، ۸۔ قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد نوعِ انسان کا حشر، ۹۔ جنت کا دار المومنین ہونا اور جہنم کا دار الکافرین ہونا، ۱۰۔ وجوبِ محبت آلٰہی، ۱۱۔ وجوب خشیت آلٰہی ۱۲۔ رحمت آلٰہی کی امید رکھنا، ۱۳۔ توکل علی اللہ، ۱۴۔ وجوب محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۔ وجوب توقیر و تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۶۔ دین کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھنا، ۱۷۔ تحصیل علم دین، ۱۸۔ تبلیغ و نشر علم دین، ۱۹۔ تعظیم قرآن مجید، ۲۰۔ وجوب طہارت و پاکیزگی، ۲۱۔ پانچ نمازوں کی فرضیت، ۲۲۔ وجوب ایتاء زکوٰۃ، ۲۳۔ وجوب صوم رمضان، ۲۴۔ اعتکاف ۲۵۔ فرضیت حج، ۲۶۔ جہاد فی سبیل اللہ، ۲۷۔ مملکت اسلامیہ کی سرحدات کی حفاظت و پاسبانی، ۲۸۔ لشکر اعدا کے سامنے ثابت قدمی، ۲۹۔ مال غنیمت میں سے خمس حاکم وقت کو ادا کرنا، ۳۰۔ غلام آزاد کرنا، ۳۱۔ کفارات کی ادائیگی، ۳۲۔ عہد و پیمان کو پورا کرنا، ۳۳۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا، ۳۴۔ غیر ضروری اور بے ہودہ قیل و قال سے زبان کی حفاظت کرنا، ۳۵۔ امانت ادا کرنا، ۳۶۔ تحریم قتل النفوس، ۳۷۔ شرمگاہوں کی حرمت و حفاظت، ۳۸۔ ناجائز طور پر لوگوں کے اموال حاصل کرنے سے ہاتھ کھینچنا، ۳۹۔ اکل حلال، ۴۰۔ ملابس حریر (مردوں کے لیے) اور زرین و سیمیں ظروف کی تحریم، ۴۱۔ مخالف شریعت لہو و لعب کی تحریم ۴۲۔ نان و نفقہ میں میانہ روی، ۴۳۔ ترک کینہ و حسد، ۴۴۔ عزت و آبرو کی حرمت، ۴۵۔ اللہ کے لیے اخلاص عمل اور ترک ریا، ۴۶۔ نیکی کر کے خوش ہونا اور برائی سے غمگین ہو جانا، ۴۷۔ گناہوں سے توبہ کرنا، ۴۸۔ عید اضحیٰ کے موقعہ پر یا عقیقہ و صدقہ کی غرض سے قربانی دینا، ۴۹۔ اولی الامر کی اطاعت کرنا، ۵۰۔ جماعتی زندگی اختیار کرنا، ۵۱۔ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا، ۵۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ۵۳۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون ۵۴۔ شرم و حیا، ۵۵۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک، ۵۶۔ صلہ رحمی (اعزہ و اقربا سے میل ملاپ)

Marfat.com

۵۷۔ حُسنِ اخلاق۔ ۵۸۔ آقا کا غلام سے حُسنِ سلوک ۵۹۔ غلام کا آقا سے حسنِ سلوک ۶۰۔ اولاد کے حقوق ادا کرنا ۶۱۔ اپنے دینی بھائیوں سے مقاربت ومودت۔ ۶۲۔ سلام کا جواب دینا۔ ۶۳۔ مریض کی عیادت کرنا۔ ۶۴ مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنا۔ ۶۵۔ چھینک کا جواب دینا۔ ۶۶ کفار ومفسدین سے دور رہنا۔ ۶۷ ہمسایہ کی عزت وتوقیر کرنا۔ ۶۸۔ اکرامِ مہمان۔ ۶۹۔ گنہ گاروں کے گناہوں کی پردہ پوشی۔ ۷۰۔ مصائب وآلام پر صبر زہد وقصر الامل۔ ۷۲۔ غیرت۔ ۷۳۔ لغو اُمور سے اعراض۔ ۷۴ جود وسخا۔ ۷۵۔ چھوٹے پر رحم اور بڑے کی عزت۔ ۷۶۔ اصلاح ذات البین۔ ۷۷۔ اپنے مسلم بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کی جائے۔

"ایمان والحیوٰۃ" میں زیادہ تر ان اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے جو ایمان کے زیرِ اثر انسان میں پیدا ہوتے ہیں۔ فاضل مصنف کو چونکہ جدید وقدیم علوم پر خاصی دستگاہ حاصل ہے اس لیئے آپ دوسرے افکار و نظریات اور ادیان و مذاہب کا بھی ساتھ ساتھ جائزہ لیتے گئے ہیں اور جگہ جگہ عقیدہ اسلام (ایمان) کی حقانیت وفوقیت کے اثبات کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔

اُمّید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے جدید تعلیم یافتہ نسل کا ضعفِ اعتقاد بہت حد تک ختم ہو جائیگا اور ایمان کے باب میں اس کا ذہن جن شکوک وشبہات کا شکار رہے ان کا ازالہ بھی کافی حد تک ہو جائے گا یہ سخت ناسپاس گزاری ہو گی، اگر میں اس کتاب کی اشاعت کے موقع پر اپنے فاضل دوست جناب منیر احمد صاحب کی غیر معمولی اعانت کا اعتراف نہ کروں جو انہوں نے اس کتاب کی ترتیب وتسوید کے ہر مرحلے پر کی خصوصاً جب ترجمہ وتلخیص کا کام بتائید ایزدی ختم ہو گیا تو انہوں نے سارے مسودے پر نظرِ ثانی فرمائی اور اسے پریس کے لئے تیار کیا۔ اللّٰہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے۔ ادارہ معارفِ اسلامی کے رفقاء اور خاص طور پر اس کے روحِ رواں جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب، اس کے ناظم جناب منور حسین اور جناب شہزاد محمد صاحب کا بھی میں بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ ہر مرحلہ پر تعاون فرمایا میں مخدومی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا بھی خاص طور پر ممنون ہوں جن کی راہنمائی میں یہ کام خداوند تعالیٰ نے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔

خاکپائے رحمتہ للعالمین
عبدالحمید صدیقی

Marfat.com

مقدمہ

تمام تعریفوں کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور درود و سلام کا استحقاق اُس کے رسولؐ کو اس کی آل واصحاب اور اس کی ہدایت پہ عمل پیرا ہونے والے تمام لوگوں کو ہے

اس کے بعد عرض یہ کرنا ہے کہ ایمان کا معاملہ کوئی ضمنی اور ثانوی حیثیت کا حامل نہیں کہ ہم اس سے بے اعتنائی برت سکیں یا اسے فراموش کر دیں۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ایمان کا انسان کی ذات اور اس کے انجام سے نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے بلکہ بلحاظ اہم انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہی ایمان کا ہے۔ اس کا وجود ابدی سعادت کا ضامن ہے تو اس کا عدم دائمی شقاوت کو مستلزم ہے اس کی بدولت آدمی جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس کے بغیر نار جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔ لہٰذا مسئلہ ایمان کی حقیقت تقاضا کرتی ہے کہ ہر ذی عقل و شعور اس کے بارے میں فکرمند رہے اور اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرے جیسا کہ معلوم ہے بہت سے دانشمندوں نے اس مسئلہ کو موضوع فکر بنایا ہے اور اپنے مخصوص طریقہ استدلال سے ایمان باللہ کا اثبات کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے تو اپنے دل کی گہرائیوں سے بلند ہونے والی آواز پر کان دھرا ہے کہ فاطر السموات والارض کی ذات میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا[۱] کہ یہ ایک ایسی پکار ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ ہر صنعت کا کوئی نہ کوئی صانع ہوتا ہے، ہر حرکت کے پیچھے کوئی محرک کارفرما ہوتا ہے اور کوئی نظام بھی کسی ناظم کے بغیر نہیں چل سکتا تو اس اصول کے مطابق اس کارخانۂ قدرت کا حیرت انگیز نظام بھی ایک زبردست محرک اور علیم و خبیر ناظم کا متقاضی ہے۔ بعض دانشوروں نے بالکل حسابی نقطۂ نگاہ اختیار کیا ہے جن کی بہترین ترجمانی ابوالعلا معری کے یہ شعر کرتے ہیں:

قال المنجم والطبیب کلاھما | لا تبعث الاموات قلت الیکما
ان صح قولکما فلست بخاسر | او صح قولی فالخسار علیکما

(ترجمہ) ستارہ شناس اور طبیب دونوں کا کہنا ہے کہ مردوں کو زندہ نہیں کیا جائے گا مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارا قول تمہیں

---

[۱] افی اللہ شک فاطر السموات والارض

Marfat.com

کو مبارک کیونکہ اگر تمہاری بات صحیح نکلی تو مجھے کوئی خسارہ نہیں ہوگا (اور میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح مر کر مٹی میں مل جاؤں گا) لیکن اگر میرا قول درست ثابت ہوا تو پھر خسارے میں تم رہو گے (جنہوں نے دوسرے جہان کے لئے کوئی تیاری نہ کی ہوگی)

مگر عقیدۂ اسلام کے اثبات کے سلسلہ میں اس مؤخر الذکر موقف پر ہم اتنا اضافہ اور کریں گے کہ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کے نتیجہ میں انسان کی آخرت ہی بنتی ہے اور حیاتِ دنیا اس سے بالکل مستفید نہیں ہوتی۔ نہیں بلکہ دنیا اور آخرت دونوں کو اس کا نفع پہنچتا ہے۔ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ اسلیے جتنی بھی جو عبادات انسان پر فرض کی گئی ہیں وہ روح کی بالیدگی اور تزکیۂ نفس کے لئے ہیں جن امور کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کے مضر اثرات سے درحقیقت اس کی عقل، اخلاق، جان و مال اور عزت و آبرو کو بچانا مقصود ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک میں نبیِ اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دینی تعلیمات کا ذکر بدیں الفاظ کیا گیا ہے " وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے برائی سے روکتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اور وہ بندھن کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے" (الاعراف : ۱۵۷) علاوہ ازیں دین انسانوں کو اگر کسی چیز سے محروم کرتا ہے تو اس کا ایسا بہترین بدل بھی دیتا ہے، جو مفاسد سے بالکل پاک ہوتا ہے۔

پس ان تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ ایماندار اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کر کے کسی خسارے میں نہیں رہتا، بلکہ اس کے نتیجے میں رشد و ہدایت، حق و صداقت، پر استقامت، اعمالِ خیر و صلاح پر ثبات و دوام، اور اپنی خواہشات پر مکمل ضبط حاصل کر لیتا ہے۔ طمانیت قلب اور سکونِ زیست اس پر مستزاد ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے زمانے میں لوگوں کا یہ حال ہے کہ مادی منفعت کی تحصیل کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں اور ان میں سے بہت سے اس خیال اور رائے کے حامل ہیں کہ وہی چیز حق ہے جو نفع بخش ہو نہ کہ وہ جو واقعہ کے مطابق ہو یا جو دلائل و براہین کی رو سے صحیح ہو اس مسلک کے علمبردار یہ کہتے ہیں کہ مقیاس حقیقت صرف منفعت ہے اور سب سے اہم

Marfat.com

چیز کسی کام کے وہ نتائج ہیں جو اس دنیا میں ظہور پذیر ہوں۔ نیز یہ کہ صداقت حقیقت کا نام نہیں بلکہ جو کچھ موجود ہے اسے تسلیم کر لینے کا نام ہے۔ ان کے نزدیک اگر دنیوی مساعی کے نتائج اپنی اغراض اور مفادات کے مطابق ظاہر ہو رہے ہوں تو وہ خیر بھی ہیں، صداقت بھی اور حق بھی لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ شر، کذب اور باطل ہے۔

اس مسلک کی ہم پوری طرح تائید نہیں کرتے تاہم اس معیار پر اپنے عقیدہ وایمان کو پرکھتے ہوئے ہمیں کوئی خطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا کیونکہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ انسانوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش چیز حق ہے اور سب سے زیادہ نقصان دہ چیز باطل۔ اور یہ ہمارا ہی نہیں خود قرآن کا فیصلہ ہے۔ قرآن نے حق کو آبِ رواں اور معدنِ نافع سے تعبیر کیا ہے جبکہ باطل کو سطحِ آب پر پھیلا ہوا جھاگ، یا بھٹی میں زرِ خالص کے اوپر آنے والی میل کچیل قرار دیا ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاۗءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ (الرعد ۱۷)

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے صریحاً حق کے لئے "مَا یَنْفَعُ النَّاسَ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ حق ہی انسانوں کے لئے جسمانی، عقلی، اور قلبی طور پر نفع بخش ہے اور یہی ان کی انفرادی واجتماعی زندگی اور ان کے لئے دنیا و آخرت میں نافع ہے۔

حق وصداقت کے بارے میں اس حد تک تو ہم مادہ پرستوں کے اصول افادیت سے اتفاق کرتے ہیں، لیکن خود افادیت کے تعین اور اس کے مفہوم کی تحدید میں جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے بلاشبہ ہمیں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک افادیت مادی اشیاء کی کسی مقررہ مقدار کا نام نہیں نہ محض ایک فرد کے مفاد کو منفعت کہا جا سکتا ہے بلکہ ہمارے مفہوم افادیت میں مقدار، کیفیت، مادہ، روح، فرد اور معاشرہ سب شامل ہیں مزید برآں ہم افادیت کا دائرۂ حیاتِ دنیا تک ہی محدود نہیں سمجھتے بلکہ اس میں اتنی وسعت اور گنجائش دیکھتے ہیں جو آخرت کی غیر فانی زندگی کا بھی احاطہ کرلے۔

اس کتاب کی تالیف سے ہمارے پیشِ نظر بعض ان مقدس اثرات پر روشنی ڈالنا ہے جو

Marfat.com

حیاتِ انسانی پہ دین کی بدولت مرتب ہوتے ہیں خصوصاً دین کی ان تعلیمات کی بدولت جو ایمان باللہ ایمان بالرسالت، اور ایمان بالیوم الآخرۃ اور اس کے حساب کتاب جزار وثواب اور سزا و عقاب سے متعلق ہیں نیز اس شر انگیز نظریہ کا ابطال کرنا چاہتے ہیں جو دین کو شعوب واقوام کے لئے افیون بتاتا ہے اور دنیوی ترقی کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ، جیساکہ اشتراکیوں کا دعویٰ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیوی فلاح وبہبود کے پیمانہ ہی سے دین کو ناپ کر دیکھا جائے تو بھی اس کا پلڑا دوسری ہر مفید چیز پہ بھاری رہتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ دین انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہ فرد کے لئے ناگزیر ہے تاکہ وہ اطمینانِ قلب حاصل کر سکے۔ سعادت مند بن سکے اور اپنے نفس کا تزکیہ کر سکے اور معاشرہ کے لئے بھی ضروری ہے تاکہ اس میں ٹھہراؤ اور استحکام پیدا ہو، اور رفعت وارتقار سے ہمکنار

فرد دین وایمان کے بغیر ایک تنکا ہے جسے تند وتیز ہوا اڑائے لئے پھرتی ہے۔ جسے کسی پل قرار نصیب نہ ہو اور جس کی کوئی منزل متعین نہ ہو۔ دین وایمان کے بغیر انسان دوپائے کا ایک حیوان ہے جس کی کوئی قدر وقیمت نہیں جو حیران وپریشان زندگی بسر کرتا ہے۔ نہ اپنے مقصد وجود سے آگاہ اپنی ذات کی حقیقت سے واقف اور نہ اس کائنات کے خالق ومالک ہی سے آشنا، وہ نہیں جانتا کہ اسے لباس ہستی کیوں پہنایا گیا ہے، اور ایک مدّت معینہ کے بعد وہ اس سے کیوں محروم کر دیا جاتا ہے؟ دین وایمان کے بغیر وہ ایک حریص جانور یا خونخوار درندہ ثابت ہوتا ہے جسے کوئی تہذیب اور قانون بھی حرص اور درندگی سے باز نہیں رکھ سکتا۔ معاشرہ بھی دین وایمان کے بغیر جنگل کا معاشرہ بن جاتا ہے اگرچہ اس میں تہذیب وثقافت کی چمک دمک پائی جاتی ہے پھر بھی زندگی کا حق زبردست اور طاقتور ہی کو ملتا ہے۔ افضل واتقیٰ کے حفظ وبقا کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہ معاشرہ ہلاکت وبربادی اور شقاوت وبدبختی سے دوچار رہتا ہے اگرچہ اس میں تنعم ورفاہیت کے اسباب فراواں ہوں۔ وہ نہایت گھٹیا اور ذلیل معاشرہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں انسانوں کی خواہشات کا دائرہ حسی لذائذ کے حصول تک ہی محدود ہوتا ہے۔

دین وایمان کے نور سے محروم علم بھی اگرچہ بڑا پھیلاؤ رکھتا ہے اور وسیع دائرہ حیات کو متاثر کرتا ہے، تاہم اس کے بس میں نہیں کہ انسانوں کو سکون وسعادت سے ہمکنار کر سکے اس نے

Marfat.com

بلاشبہ حیاتِ انسانی کے مادی پہلو میں کچھ ترقی کی ہے، اور زمان و مکاں کی پہنائیوں کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور اس لحاظ سے ہم اسے "برق رفتار دور" کا نام دے سکتے ہیں لیکن کیا علم کی مادی ترقی کے اس دور کو دورِ فضیلت و طمانیت اور عہد سعادت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ نہیں یقیناً نہیں اس علم نے دورِ جدید کے انسان کو بہت سے نئے وسائل حیات فراہم کئے ہیں، مگر اسے منزل کا شعور نہیں بخشا، اور وہ انسان کتنا نصیب ہے جو اسباب و وسائل ہی میں منہمک رہے اور اپنی منزل کو فراموش کر دے جو معمولی رقبۂ زمین کے اندر کھو جائے، اور وسیع و عریض میدان کو نظر انداز کر دے اور چھلکے ہی کو سب کچھ سمجھ لے اور مغز سے بے خبر ہو جائے۔ بجا کہ اس علم نے انسان کے ظاہر کو سنوارا ہے مگر باطن کی گہرائیوں سے اسے روشناس نہیں کیا۔ تسلیم ہے کہ مادی علم نے اس کو بہت کچھ دیا لیکن بلند مرتبہ و مقام اور کسی ارفع و اعلیٰ نصب العین کی نشاندہی نہیں کی جس کے حصول کیلئے وہ زندہ رہ سکے اور وقت آنے پر جان کی بازی لگا دے ظاہر ہے کہ یہ کام مادی علم نہیں کر سکتا یہ تو ایمان ہی کا وظیفہ ہے اور وہی اس سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

بہت سے فلاسفہ و مفکرین ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان تو نہیں رکھتے لیکن اللہ پر ایمان لانے کو صحیح سمجھتے ہیں وہ ان پاکیزہ و خوشگوار اثرات کا انکار نہیں کر سکے جو ایمان باللہ کی بدولت فرد اور معاشرہ پر مرتب ہوتے ہیں۔ ایک فلسفی کا قول ہے کہ اگر اللہ موجود نہ ہوتا تو ہم پر واجب تھا کہ اسے ایجاد کر لیں اور پھر اس پر ایمان لائیں اس کی رضا کے طلب گار ہوں اور اس کے محاسبہ و مواخذہ سے خائف، یہاں تک کہ شریر لوگ شرارت سے باز آ جائیں اور عامۃ الناس کے اخلاق سنور جائیں۔ ایک دوسرے مفکر کا قول ہے "تم اللہ کے بارے میں شک کا اظہار کیوں کرتے ہو؟ اگر اللہ (کا خوف) نہ ہوتا تو میری بیوی میری خیانت کرتی اور میرا خادم میرا مال اڑا لے جاتا۔"

ہم اس طرزِ استدلال سے اتفاق نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک حق اس قابل ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ چاہے نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اور اباطیل و خرافات کو بھی نتائج سے صرف نظر کرتے ہوئے رد کر دینا واجب ہے۔ بایں ہمہ ان اقوال سے اعتنا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ منصف مزاج دشمنان ایمان اور اعدائے دین میں بھی اتنی جرأت نہیں کہ حیاتِ انسانی پر ایمان کے اثرات کا انکار کر

Marfat.com

سکیں۔ پس جب حق کو بذاتہٖ قبول کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ نفع بخش نہ ہو اور کسی ضرر کو بھی دفع نہ کرتا ہو تو اُس حق کو قبول کر لینا تو بدرجۂ اَولیٰ واجب ہے جس کا نفع دوسری ہر چیز سے بڑھا ہوا ہو، لہٰذا وجودِ باری تعالیٰ، اس کا تنہا کائنات پہ حکومت کرنا، تدبیرِ امر فرمانا اور مستحق عبادات ہونا اس کا انبیاؑ کو مبعوث کرنا، اور حیاتِ اُخروی سے متعلق انبیاء کے بیانات کی صداقت —— اُن میں سے ہر چیز حق ہے اور پوری طرح مدلل اور واضح۔ اُن کا محض حق ہونا ہی ان پہ ایمان لانے کو مستلزم تھا مگر یہاں تو اس کے ساتھ انسان کے ظاہر و باطن کی درستی، فرد و معاشرہ کی ترقی اور دنیا و آخرت کی سعادت بھی وابستہ ہے

جب ہم ایمان کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد نہایت قوی اور توانا ایمان ہوتا ہے جو ہر لحاظ سے حیات آفریں ہوتا ہے، جو قلوب و اذہان پہ ضَو بار ہو اور جو دل کی گہرائیوں میں اپنی راہ آپ پیدا کرتا چلا جائے۔ ایمان سے ہماری مراد ضعیف ایمان نہیں جس پہ اضمحلال طاری ہو جو غیر متحرک اور بے جان ہو۔ ہم تو زندہ و بیدار ایمان کی بات کرتے ہیں چاہے ایسے ایمان کے حامل چند ہی لوگ کیوں نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جن مادہ پرستوں سے ہمارا یہاں مقابلہ ہے اور جو ایمان کی قدر و قیمت اور حقیقت کے بارے میں مبتلائے شکوک و شبہات ہیں۔ وہ جان سکیں کہ ایمان کی جس طاقت سے وہ نبرد آزما ہیں اُس کے پاکیزہ اور مقدس اثرات کو لوگوں کے قلوب و اذہان پہ نہایت گہرا تسلط حاصل ہے۔

مشہور یہودی مفکر کارل مارکس نے جو یہ کہا کہ مذہب زندگی کا دشمن اور اقوام و ملل کے لئے افیون کی حیثیت رکھتا ہے تو شاید اس نے دوسرے ادیان و مذاہب اور ان کے پیروؤں کی سیرتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہی ہو کیونکہ اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب میں بہت کچھ آمیزش ہو چکی ہے۔ اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والے لوگوں نے ان کی سیدھی اور صاف تعلیمات کو بگاڑ ڈالا ہے۔ کارل مارکس کے بعد اس کے اندھے مقلدین نے بھی بغیر کسی تحقیق کے طوطوں کی طرح وہی رٹ لگانا شروع کر دی اور اس خیال والے کا اطلاق ہر دین و مذہب پہ کرنے لگے حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دینِ اسلام، مذہب کلیسا سے اور اسلامی معاشرہ یورپی معاشرہ سے بہت کچھ مختلف ہے۔

دینِ اسلام تو ایک ایسا دین ہے جس نے حیاتِ انسان کو حرکت اور توانائی بخشی ہے جس سے

Marfat.com

روح و مادہ دونوں فیضیاب ہیں جو صداقت اور قوت کا علمبردار ہے، علم و آگہی جس کی امتیازی خصوصیت ہے اور دنیا و آخرت یکساں طور پر جس کی کمندِ فکر کے اسیر ہیں۔ ربِّ کائنات کی یکتائی کا قائل یہ وہ عقیدہ ہے جو نفسِ انسانی میں مجد و کرامت آزادی و حمیت کے بیج بوتا ہے اور اللہ واحد و قہار کے علاوہ کسی اور کے سامنے اظہارِ عجز کو کفر و فسق اور ظلم قرار دیتا ہے اور شدت سے اس بات کا انکار کرتا ہے کہ انسان، انسانوں کے خدا بن بیٹھیں۔

دین و ایمان کے یہ اثرات دنیا کے ہر حصے میں دیکھے جا سکتے ہیں مگر ہمارے اسلامی و عربی ممالک میں تو خاص طور پر ان کی جڑیں بہت گہری اور ان کی ضرورت بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ جس طرح ہر قفل کو کھولنے کے لئے ایک معین کلید درکار ہے اور اس کے بغیر چاہے کتنی ہی کوشش کی جائے قفل کو کھولنے میں کامیابی نصیب نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح اسلامی عربی قوم کا تشخص اگر صحیح طور پر نمایاں اور اس کے جوہر پوری طرح کھل سکتے ہیں تو یہ صرف دین و ایمان اور عقیدۂ اسلام ہی کی بدولت ممکن ہے اس شاہ کلید کو نظر انداز کر کے عربی قوم کے تشخص اجاگر کرنے کی جتنی کوششیں بھی کی جائیں گی سب رائیگاں اور عبث ثابت ہوں گی جیسے پانی پر عمارت کی بنیاد رکھنا یا ہوا میں کچھ تحریر کرنا عبث ہے۔

یہ ایمان ہی تھا جس نے عربوں کو ریگزارِ عرب سے تاکہ وہ دنیا کو کفر و جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و یقین کی روشنی میں لے آئیں۔ ایمان ہی بدولت وہ اس قابل ہوئے کہ اکاسرۂ ایران قیاصرۂ روم اور ہر جابر و مستبد اور متکبر حکمران کو ادب سکھا سکیں اس کے عقیدۂ توحید نے سرشار ہو کر وہ اٹھے اور مخلوقِ خدا کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خالق کی بندگی کا خوگر بنایا۔ دنیا کی تنگی و تلخی سے اُن کا رُخ دنیا و آخرت کی کشائش و وسعت کی طرف پھیر دیا اور ادیان و مذاہب کے ظلم و جور سے بچا کر انہیں اسلام کے عدل و انصاف سے ہمکنار کر دیا۔

ایمان ہی کی بدولت ہماری عربی قوم کو اقوامِ یورپ پر بالادستی نصیب ہوئی ورنہ وہ تو صلیبی جنگوں میں ساری کی ساری مشرقِ وسطیٰ پر دوڑ آئی تھیں تاکہ یہاں کی ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالیں ایمان ہی کی وجہ سے تاتاری حملہ آوروں کے مقابلے میں مسلمان فتح مند و ظفریاب ہوئے مگر آج وہی عربی قوم ہے کہ جس کے سینے پر دشمن دندنا رہا ہے جو اس کے وجود کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا ہے اور اسے

ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے مذموم عزائم رکھتا ہے اگرچہ اس دشمن ــــ اسرائیل ــ کو مشرق و مغرب کی تمام طاغوتی طاقتوں کا تعاون حاصل ہے۔ اس دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ہتھیار دین و ایمان سے زیادہ مؤثر اور پائیدار نہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مادی طاقت اور حربی ساز و سامان کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر یہ ساز و سامان کسی مردِ مجاہد اور شجاع و دلیر آدمی ہی کے ہاتھ میں ہو تو مفید رہتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ شجاعت و بسالت کا جوہر آدمی کے اندر ایمان ہی پیدا کرتا ہے۔

ادھر ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مغرب کے جدید مادی نظریات سے متاثر ہیں ایسے نظریات کو جو حیاتِ دنیا میں خدا اور آخرت کو کوئی مقام اور اہمیت نہیں دیتے۔ مگر بوقتِ ضرورت دین کو بطور آلۂ کار استعمال کر لیتے ہیں کہ جب ضرورت پڑی اور وقتی اغراض داعی ہوئیں تو دین کا نام لے کر دین دار عوام کے اندر جذبہ و جوش پیدا کر لیا اور انہیں خوش بھی کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ دین و ایمان کو امّت کی قیادت و تربیّت کے منصب سے الگ کر دیا گیا ہے اور تعلیم ثقافت اور زندگی کے دیگر فکری اور عملی اور سیاسی و اجتماعی دوائر میں بھی اسے اپنا فرض ادا کرنے کے قابل بس کچھ رسوم و مظاہر ہیں جن کو دین کے نام پہ اختیار کر لیا گیا ہے اور جن کی افادیت محسوس نہیں ہوتی۔

۱۹۶۷ء میں جب ہمارے اور اسرائیل کے درمیان حرب و قتال برپا ہوا تو اس وقت ہمارے پاس بہت سا اسلحہ تھا مگر ایمان نہایت قلیل نتیجۃً اسلحہ کی کثرت ہمارے کچھ بھی کام نہ آئی اور ٹینک طیّارے اور جہازوں کے بیڑے یکسر بیکار ثابت ہوئے آخر نرا اسلحہ کیا کر سکتا تھا جب تک اسے استعمال کرنے والے جوان دولتِ ایمان سے مالا مال نہ ہوتے۔ متنبّی نے کیا خوب کہا ہے۔

وما تنفع الخیل الکرام ولا القنا ترجمہ- عمدہ گھوڑے اور تیر و سنان مفید ثابت
اذا لم یکن فوق الکرام کرام نہیں ہوتے اگر ان پر سوار جنگجو، شجاع اور غیور نہ ہوں۔

اور یہ حقیقت بجائے خود کتنی ہی سنگین اور تلخ کیوں نہ ہو ہمارے اندر اتنی جرأت ہونی چاہیے کہ اس کا برملا اعتراف کریں اور آئندہ کے لئے مشرقِ وسطیٰ کی گزشتہ جنگ سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کی تعمیر ایمان اور اس کے مقتضیات کی بنیاد پہ کر جب تک ہم اپنے آپ

25376.

Marfat.com

کو نہیں بدلتے اللہ تعالیٰ بھی ہمارے حالات کو نہیں بدلیں گے اور ہم بدنصیبی کے تھپیڑے ہی کھاتے رہیں گے۔

ہمارا دشمن —— اسرائیل —— جب دینی اساس پر اپنے فرزندوں کی تربیت کرتا ہے اور ایسی معرکہ آرائیوں کے انہیں خواب دکھاتا ہے جو اسرائیل کی مجد و بزرگی اور ملکِ سلیمانؑ کے دوبارہ قیام کی راہ ہموار کر سکیں تو ایسی صورت میں ہم ہی ایمان کے تابناک اثرات کا انکار کیوں کریں، کیوں اہلِ ایمان کو ایمان سے باز رکھنے اور غلط نظریات اختیار کرنے پر مجبور کریں اور کیوں انہیں ایسے نعرے دیں کہ غلبہ کشمکش کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے یا غلبہ جمہور کا حق ہے حالانکہ ہماری قوم صرف یہ جانتی ہے کہ فتح و نصرت اہلِ ایمان کا مقدر ہے اور بہتر انجام تقویٰ شعار لوگوں کے لئے ہے۔

اچھی طرح سن لیجئے، عالمِ اسلام میں ہر وہ عمل جو دین و ایمان کے خلاف کیا جائے گا وہ درحقیقت ہمارے وجود کے خلاف، ہمارے وسائلِ حیات کے خلاف اور ہماری ترقی کی بنیادوں کے خلاف قرار پائے گا۔

ہم صاحبِ ایمان قوم ہیں اور ہماری شخصیت کی اساس ہی ایمان ہے۔ ہماری قوت کا راز ہمارا درخشندہ ماضی، ہمارا زوال پذیر حال اور ہمارے مستقبل کی امیدوں کا تمام تر انحصار ایمان ہی کے وجود و عدم پر ہے۔

ہم باایمان قوم ہیں اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے پس واجب ہے کہ اس کی حمایت و اشاعت کے لئے کاتب و محرر کا قلم، خطیب کی زبان، فلسفی کی فکر، شاعر کا وجدان، مصوّر کا مُوقلم، قانون سازی کی استعداد، حاکم کا غلبہ و استیلاء، لشکر و سپاہ کی قوت اور قومی حمیت —— ہر چیز وقف ہو جائے نیز یہ بھی ناگزیر ہے کہ باپ اس کی رعایت گھر میں رکھے، مُعلّم اس کا خیال اسکول میں رکھے، پروفیسر کا لیکچر اس کے مطابق ہو، ادیب کی افسانہ نویسی، صحافی کی خبر سازی، مصنف و مولف کی تالیفِ کتب اور ہر فنکار کا فن ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ اور ہر وہ شگاف جو ہماری تہذیبی و ثقافتی اور فنی و عملی زندگی کے کسی پہلو میں بھی کیا جائے تاکہ شکوک و اور الحاد و انکار کے تیر سینۂ ایمان تک پہنچ سکیں تو یہ اُمّت کے حق میں بہت بڑی خیانت سمجھی جائیگی اسے اس کے اصولوں سے انحراف پر ہی محمول کیا جائیگا، یہ اقدام اس کی صفوں سے

نکل کر دشمن کی صفوں میں جا ملنے کے مترادف ہوگا اور دوسرے پہلوؤں پہ کی جانے والی تعمیری و مثبت کوششوں میں رکاوٹ ڈالنے والی بات ہوگی۔

"تاہم مجھے اس امر کا پختہ یقین ہے کہ بالآخر دین و ایمان ہی کا بول بالا ہوگا اور کفر و شک کے مقدر میں سرنگونی و شکست لکھی جائیگی۔ خدا کے بزرگ و برتر نے سچ ہی تو فرمایا ہے۔

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسے بیان کی ہے؟ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے، اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے پھل دے رہا ہے یہ مثالیں اللہ تعالیٰ اس لیئے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان سے سبق لیں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اور اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے"

(ابراہیم: ۲۴-۲۶)

Marfat.com

پہلا باب

حقیقتِ ایمان

اس کے عناصرِ اساسی اور اس کی امتیازی خصوصیات

Marfat.com

Marfat.com

حقیقتِ ایمان

ایمان محض دعویٰ کا نام نہیں۔ کسی شخص کا زبان سے یہ اعلان کر دینا کہ وہ مومن ہے اسے مومن نہیں بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور روزِ جزا پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایماندار نہیں

اسی طرح مومنوں کے اعمال سے ملتے جلتے اعمال اختیار کر لینے کو بھی ایمان سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بعض دجل و فریب کے علمبردار نیک اعمال کو شعار بنا لیتے ہیں حالانکہ ان کے دل صلاح و خیر سے یکسر خالی ہوتے ہیں ذہنی طور پر بعض حقیقتوں کی معرفت حاصل کر لینے کو بھی ایمان کا نام نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ بہت سے لوگ دلائل و براہین کی رو سے حقائق ایمان کے قائل ہو چکے ہوتے ہیں، مگر تکبر، حسد یا محبتِ دنیا ان کے راستے میں حائل ہو جاتی ہے اور وہ دولتِ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۔۔۔۔ اور انہوں نے سراسر ظلم اور تمرد کی بناء پر ان آیات کا انکار کیا حالانکہ اُن کے دِل قائل ہو چکے تھے۔

(ایمان درحقیقت ایک ایسا اخلاقی اور روحانی عمل ہے جو دل و دماغ کی گہرائیوں تک اپنا اثر و نفوذ رکھتا ہے۔ اور انسان کے ارادہ و اختیار، عقل و شعور، اور وجدان ۔۔۔ ہر چیز کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے وہ وحی والہام کی مدد سے انسان پر حقائق وجود کا انکشاف کرتا ہے اور یہ انکشاف محض علم کی حد تک ہی نہیں رہتا بلکہ جزم و یقین سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور پھر ریب و تشکک کا کوئی حملہ بھی اس کے یقین کو متزلزل نہیں کر سکتا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ۔

Marfat.com

در اصل ایماندار لوگ وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر کبھی شک میں مبتلا نہ ہوئے حقائق کا یہ یقینی علم جو کسی انسان کو ایمان کی بدولت نصیب ہوتا ہے تو اس کے دل کو ذاتِ حق کے تابع کر دیتا ہے۔ اس کے ارادہ و اختیار کو سمع و طاعت سکھاتا ہے اور اس کے تکبر و غرور کو خشوع و خضوع میں بدل دیتا ہے اور بالآخر گوشت پوست کا یہ مجسمہ تسلیم و رضا کا پیکر بن کر سامنے آتا ہے۔ اس کے بعد معرفتِ حق انسان کے اندر حرارتِ عمل پیدا کرتی ہے اور عقیدہ و ایمان کے مقتضیات کی تکمیل کے لئے اسے سرگرم بنا دیتی ہے۔ 2B

ایک مومن کی زندگی کا یہی پہلو ہے ـــ عملی پہلو ـ جسے قرآن خوب نمایاں کر کے اور پورے زور کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ مومن کی زندگی محاسنِ اعمال کا مجموعہ ہوتی ہے۔ وہ بہترین اخلاق کا حامل ہوتا ہے۔ خوفِ خدا سے اس کا دل معمور ہوتا ہے۔ مصائب و مشکلات میں صبر و استقامت سے کام لیتا ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ نیز صیام و حج کے فرائض خلوصِ دل سے بجا لاتا ہے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ فواحش و منکرات اور لغو اور لایعنی امور سے قطعی پرہیز کرتا ہے۔ دن کی مصروفیتیں ہوں یا رات کی خلوتیں، سب میں یادِ الٰہی اولیت کا مقام رکھتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی دستکش نہیں ہوتا۔ خدا کے اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ عہد و پیمان کی پابندی کرتا ہے۔ ہر ایک سے لطف و محبت سے پیش آتا ہے۔ اور اخوت و مودت کا برتاؤ کرتا ہے۔ غرض بندۂ مومن ہر شعبۂ زندگی میں تقاضائے ایمان کو عملاً پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور لوحِ ہستی سے کفر و جاہلیت کا ایک ایک نقش مٹا کر چھوڑتا ہے۔ وہ ہدایت و ضلالت میں کبھی مصالحت کی کوشش نہیں کرتا، نہ معصیت و طغیان کے بارے میں تساہل اور مداہنت سے کام لیتا ہے اور جب تک اپنے دائرہ اختیار میں برائی کا سر کچل نہیں دیتا اسے چین نہیں آتا۔

عقیدہ و رائے کا فرق بعض لوگ عقیدہ و ایمان کو فکر و نظر اور خیال و رائے کے معنی میں لے لیتے ہیں۔ حالانکہ عقیدہ و رائے میں بہت بڑا فرق ہے۔ رائے انسان کے دائرۂ معلومات میں ایک چیز کے اضافہ کا نام ہے جبکہ عقیدہ اس کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور اسے سرگرمِ عمل رکھتا ہے۔ اس کی ہڈیوں کے گودے اور دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتا ہے۔ صاحبِ رائے

Marfat.com

کی حیثیت ایک فلسفی کی سی ہوتی ہے۔ جو ایک بات کو درست سمجھ لیتا ہے حالانکہ وہ حقیقتاً غلط ہوتی ہے۔ آج ایک چیز کے حق میں دلیل دیتا ہے اور لگلے ہی دن اس کے برعکس موقف اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں صاحب عقیدہ، یقین کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ وہ شکوک و شبہات کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کا عقیدہ حق ہوتا ہے۔ آج بھی حق کل بھی حق۔ وہ دلیل کی زد سے باہر اور ظن و تخمین کی سطح سے بہت بلند ہوتا ہے۔ صاحب رائے کے لئے مفاد یا مصلحت کے زیر اثر بدل جانا بڑا آسان ہوتا ہے۔ لیکن صاحب عقیدہ اس کردار کا مظہر ہوتا ہے کہ "اگر میرے دائیں ہاتھ پہ سورج اور بائیں پہ چاند بھی لا کر رکھ دو اور جس پیغام حق کو لے کر میں آیا ہوں اس سے دستبردار ہو جانے کے لئے کہو تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، اور میں اپنے مشن کو ہرگز ترک نہیں کر سکتا"[1]۔ رائے کی مثال ایک بے حس و حرکت جسد کی ہے اور عقیدہ اس میں روح حیات پھونکتا ہے۔ رائے ایک ناپائدار قطرۂ نور ہے اور عقیدہ ایک کوکب درخشندہ۔ رائے ایک تاریک غار کی مانند ہے جسے عقیدہ کی روشن شعاعیں منور کرتی ہیں۔ رائے کھڑے پانی کا ایک جوہڑ ہے جس کی سطح پہ ضرر رساں حشرات انڈے بچے دے دیتے ہیں اور عقیدہ ایک بحر ذخار ہے جو ایسی کسی مخلوق کو اپنی پر شور لہروں پہ توالد و تناسل کی اجازت نہیں دیتا۔ رائے شدائد و مصائب کو جنم دیتی ہے، دشوار راہوں کو پیش کرتی ہے، تن و شکم کے ارمانوں پہ کان دھرتی اور تذبذب اور تردد کو ابھارتی ہے اور عقیدہ خطرات کو عبور کرتا ہوا، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلاتا ہوا، زمانے کا رخ پھیرتا ہوا، اور تاریخ کی گردش کو بدلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہاں خدشات کا نام و نشان نہیں ملتا۔ عزم و یقین کی فراوانی ہوتی ہے۔ اور روح کی امنگ کے علاوہ کوئی چیز بار نہیں پا سکتی۔

ایمان کے مشتملات عقیدۂ اسلام یعنی ایمان، آسمانی کتابوں کا اصل الاصول ہے جو اللہ، روز آخر، ملائکہ، کتب الٰہی اور انبیاء و رسل کی تصدیق سے عبارت ہے۔ اور یہ کوئی نو دریافت چیز نہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث ہوئے سب کی تعلیم و تبلیغ کا مرکز و محور یہی عقیدہ رہا ہے۔ ایمان ایک ایسا جوہر

---

[1] یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے اس وقت کہی جب انہوں نے حضور کو دینی خدمت سے باز رکھنے کی تلقین کی

ہے جو عہدِ طفلی سے لے کر دورِ کہولت تک انسان کے ساتھ رہتا ہے اور اس کی زندگی کے ہر گوشے پر نہایت گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس سے کائنات کی گرہیں کھلتی ہیں۔ رازِ حیات سے پردہ اٹھتا ہے اور عقل و خرد کی لاینحل گتھیاں سلجھتی ہیں اس عقیدے نے فکرِ توحید کو اُن آمیزشوں سے پاک کیا جن سے ہر دور کی ضلالتیں اسے آلودہ کرتی رہیں۔ مقامِ نبوت اور منصبِ رسالت کو اسی نے غلط تصورات سے بچایا اور نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں جاہلوں کے اوہام اور باطل پرستوں کی مغالطہ آمیزیوں کا ازالہ بھی یہی عقیدہ کرتا ہے۔

اس عقیدہ کے عناصر اساسی تین ہیں (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالرسالۃ (۳) ایمان بالآخرت

۱۔ ایمان باللہ

(۱) وجودِ باری تعالیٰ۔ دلائل و براہین سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک ایسی قوت کارفرما ہے جو اس کی تدبیر و انتظام میں مصروف ہے۔ کسی نے اُسے "علتِ اُولیٰ" سے موسوم کیا، کسی نے اسے "عقلِ اول" اور کسی نے "محرکِ اول" کا نام دیا۔ کتبِ سماوی میں صفاتِ جمال و جلال کی جامع اسی ذات کو "اللہ" سے تعبیر کیا گیا —— اس بلند ترین ہستی اور عظیم ترین قوت —— الہ العظیم —— کی حقیقت کو پالینا ذہنِ انسانی کے بس کی بات نہیں۔ جب انسان خود اپنی ذات اور روح کا فہم حاصل نہیں کر سکا اور برق و مقناطیس جیسے بہت سے مادی امور کی تہ تک نہیں پہنچ سکا تو اللہ العلی الکبیر کی ذات کا عرفانِ حقیقی اس کے لیئے کہاں ممکن ہے؟

ع با دمے نہ رسیدی خدا چہ مے جوئی

البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے کرشمے اور اس کی قدرت کے مظاہر ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات مختلف پیرایوں میں کیا ہے (۱) ہر موجود کو وجود میں لانے والا اور ہر مخلوق کا کوئی خالق ضرور ہونا چاہیئے۔ اسی طرح عقل مطالبہ کرتی ہے کہ کائنات کے اس زبردست نظام کے پیچھے کوئی منتظم ہو (۲) انسان اپنی فطرت اور اپنے لاشعور میں ایک بلند برتر ہستی کا تصور موجود پاتا ہے جسے ممکن ہے وہ عیش و عشرت کے ایام میں فراموش کر دے لیکن جونہی مصائب و شدائد کا نزول شروع ہوتا ہے تو وہ ابھر کر اس کے شعور کی سطح پر آ جاتا ہے۔ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ (الروم: ۳۳)

(۳) قرآن، تاریخ سے استشہاد کرتا ہے کہ انسانیت کی نجات وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان میں مضمر ہے

Marfat.com

ایک حیرت ناک تسلسل کے ساتھ قومیں تباہ و برباد ہوتی رہیں مگر کچھ مخصوص لوگ بچا لئے جاتے رہے، اگر کوئی حکیم و دانا ہستی موجود نہیں تو آخر تاریخ کے صفحات پر ایک ہی طرح کا فیصلہ کیوں ثبت ہوتا رہا؟

(ب) اِلٰہٌ وَّاحِدٌ - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا اور بھی کئی الٰہ ہوتے تو (زمین و آسمان) کا نظام بگڑ جاتا۔ پس پاک ہے اللہ رب العرش ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں" (الانبیاء: ۲۲) ایک اور جگہ فرمایا "اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں (المومنون: ۹۱) ان آیات سے بدیہی طور پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور نہ اسے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ یہ نظام کائنات اپنی فطرت کے اعتبار سے کسی شریک خدا کی شرکت کا متحمل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ جب پیدا کرنے، رزق دینے اور اپنی مخلوقات کی مشکلات دور کرنے میں اکیلا ہے تو عبادت بھی اسی اکیلے ہی کی ہونی چاہیئے اور اطاعت و فرمانبرداری بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی، کی جانی چاہیئے اُس یکتا و بے ہمتا کے علاوہ کسی سے ڈرنے یا کسی پر بھروسا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہی وہ تعلیم ہے — توحیدِ باری تعالیٰ اور تقدیسِ ذاتِ حق کی تعلیم — جو تمام انبیاء نے بالاتفاق دنیا والوں کو دی اور لا الٰہ الا اللہ ہی وہ کلمۂ اخلاص اور کلمۂ تقویٰ ہے جسے اہلِ اسلام نے حرزِ جان بنایا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ تمام جبابرہ طاغوتی طاقتوں اور معبودانِ باطل کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔ یہ وہ عالمی پکار ہے جو انسان کو انسان کی غلامی اور مادہ و طبیعت کی بندگی سے نجات دلاتی ہے لا الٰہ الا اللہ حقیقی انسانی اخوت، اور سچی عزت و آزادی کی نہایت مضبوط بنیاد ہے۔ یہ الٰہِ حقیقی کا تعلق کسی خاص قبیلے، قوم یا ملک سے نہیں جوڑتی بلکہ اُسے "رب العلمین"، "رب السمٰوٰت"، اور "رب المشرق والمغرب" قرار دے کر ہر انسان کو اسی کا حلقہ بگوش بننے کی دعوت دیتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ ایک نئے معاشرہ کی تشکیل کا اظہار ہے جو جاہلی معاشرہ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے بھی اور طریق کار کے لحاظ سے بھی یہ معاشرہ نہ مادی ہوتا ہے نہ وطنی اور نہ طبقاتی۔ بلکہ اسے صرف ذاتِ وحدہٗ لاشریک سے ایک نسبت خاص حاصل ہوتی ہے۔

(ج) صفاتِ الٰہی کا کمال - اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس

Marfat.com

کی جملہ صفات کو کامل و مکمل اور ہر عیب و نقص سے منزہ ماننا بھی لازم ہے۔ ذاتِ حق کی صفات کے کمال پہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ دلالت کرتا ہے۔ موجودات میں سے ہر چیز کی انوکھی اور نرالی بناوٹ، اس کا حکیمانہ اور متوازن فروغ وارتقاء، اس میں حسن و جمال کی کارفرمائی اور اس کی مضبوطی و استحکام ایسی خصوصیات ہیں جو پیدا کرنیوالے کی شانِ کمال کا پتہ دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ زبردست قدرت اور بے پناہ طاقت کا مالک ہے کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا نہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکتا ہے۔ زندگی، موت، عزت، اور ذِلّت صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ حکمت و دانائی کا مبدأ و منتہا اور رحمت و رأفت کا منبع وہی ہے اس کی جزا و ثواب اور اس کے انعامات بے حد و حساب ہیں، اور اسی طرح اس کا قہر و غضب اور اس کا انتقام بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اسلام جس الہ حقیقی سے روشناس ہے وہ کائنات سے بے تعلق الٰہ نہیں جیسا کہ ارسطو نے کہا ہے ارسطو کا الٰہ ہے تو سہی لیکن اسے اس جہان سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ اس کی طرف متوجہ ہے، نہ اس کی تدبیر امر فرماتا ہے اور فرما بھی کیسے سکتا ہے۔ اسے نہ زمین کے بارے میں کچھ علم ہے اور نہ آسمانوں کے بارے میں۔ وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ وہ مرکب ہے نہ جُزء۔ نہ وہ اس عالم میں داخل ہے نہ خارج۔ نہ اس سے متصل ہے نہ منفصل۔ اس "مُحرّک اوّل" سے نہ کوئی ڈرتا ہے نہ کوئی دلی لگاؤ رکھتا ہے۔ نہ اس پہ بھروسا اور اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یونانیوں کا الٰہ ایسا ہی تھا اور مغرب کا جدید فکر بھی اسی نوعیت کا الٰہ رکھتا ہے۔ اسکی سرے سے کوئی صفت ہی نہیں صفت کا شانِ کمال رکھنا تو بعد کی بات ہے۔ اس کے برعکس اسلام جس الٰہ پر ایمان رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، وہ حیّ و قیّوم ہے، علیمٌ بذاتِ الصدور ہے، خالق، مالک اور رازق ہے۔ صاحبِ امر ہے، مُدبّرِ کائنات ہے اور فَعّالٌ لما یرید ہے۔ سب اس کے بندے ہیں۔ آسمان میں ملائکہ اور زمین پہ جنّ و انس اور دوسری مخلوقات۔ جنّ و انس کو ارادہ و اختیار عطا کرنے والا اور نسلِ انسانی کو اپنی خلافت و نیابت کا شرف بخشنے والا وہی ہے۔ وہی ہے حیات و موت کا مالک اور حشر و نشر پہ قادر۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

Marfat.com

۲۔ ایمان بالرّسالت اللہ پر ایمان لانے کے بعد، رسولوں پر ایمان کوئی قابلِ تعجب چیز نہیں بلکہ یہ ایمان باللہ ہی کی ایک فرع ہے اِس لیئے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے لئے موجودات کی تسخیر کے بعد رحمتِ حق کے لئے زیبا نہ تھا کہ وہ اسے صراطِ مستقیم سے نا آشنا رکھ کر بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتی۔ بلکہ یہ عین تقاضائے حکمت تھا کہ جس ذات نے انسان کو مادّی سر و سامان سے نوازا تھا وہ اس کے لیئے روح کی غذا کا اہتمام بھی کرتی اور جس نے اسے پیدائش کے بعد حیاتِ دنیا سے روشناس کیا تھا وہ موت کے بعد حیاتِ آخرت سے بھی اسے باخبر کرتی۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کی رہنمائی کا بندوبست نہ فرماتے تو اس کا بدیہی نتیجہ یہ نکلتا کہ خواہشات و احساسات رکھنے والی اس مخلوق کے باطنی قویٰ اور خارجی صلاحیتیں خود اسی کی ذات سے الجھ کے رہ جائیں۔ اسی طرح قوم اور جماعت کے اجتماعی اغراض و مصالح بھی تصادم کا شکار ہوئے بغیر نہ رہتے اور یہ صورتِ حال اس رحمت و عنایت کے منافی ہوتی جس کے تحت تخلیقِ انسان عمل میں آئی تھی۔ اور اُس شرف و کرامت کے بھی منافی ہوتی کہ جس کی بدولت حضرتِ انسان کو کائنات میں منفرد مقام عطا ہوا تھا لیکن بعثتِ انبیاء کے اِس حقیقی پہلو سے صرفِ نظر کرتے ہوئے نوعِ انسانی کی اکثریت، اپنی ہی نوع کے کسی فرد کو منصبِ رسالت پر فائز دیکھ کر اس کا خیر مقدم کرنے کے بجائے حیرت و استعجاب کا اظہار کرتی رہی۔

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ ○
(یونس: ۲)

انسان زندگی کے کسی مرحلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے بے نیاز نہیں رہا۔ یہ الگ بات ہے اسے اس کا شعور نہ ہو۔ سب سے پہلے پیدائش کے وقت جب اسے بھوک پیاس کا احساس ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہی تھی کہ جس نے ماں کی چھاتیوں سے اسے غذا حاصل کرنے کی تربیت دی اور ہدایت کی یہ صورت کچھ انسان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تمام مخلوقات کے لئے عام ہے۔ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ○ (طٰہٰ: ۵۰) پھر دوسرے درجے میں ظاہری و باطنی حواسِ انسان کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور سمع و بصر اور لمس و ذوق کی صلاحیتوں نے اس کے دائرۂ معلومات کو کچھ اور وسیع کر دیا۔ اس کے بعد عقل و شعور کی باری آئی اور بلاشبہ یہ وہ نور تھا جس نے بہت حد تک

Marfat.com

ظلمت کدۂ حیات میں انسان کی معاونت کی۔ اس کو نفع و نقصان کی معرفت بخشی۔ خیر و شر کی تمیز عطا کی اور اعلیٰ اغراض اور عظیم الشان مقاصد کے حصول کو اس کے لیئے ممکن بنا دیا۔ لیکن یہ سارے ذرائع ہدایت بجائے خود ناگزیر اور بہت کچھ نفع بخش تھے ہر لحاظ سے کافی نہ تھے بلکہ اپنے اندر خطا و سہو کا احتمال رکھتے تھے۔ ان سے حقیقت کا کچھ نہ کچھ سرا تو انسان کے ہاتھ لگتا تھا مگر بہت شبہ التباس کے بغیر اس کی مکمل دریافت نہ ہوتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے راھنمائی کی وہ بہترین شکل اختیار فرمائی جسے وحی کہا جاتا ہے جس نے حیاتِ انسانی کے ان سربستہ رازوں اور مخفی گوشوں سے پردہ اٹھایا جن تک عقل کی رسائی نہ تھی اور جس نے فکر و نظر کی غلطیاں اور حواس کے اوہام یکسر دور کر دیئے اور حق و صداقت کی صاف، اور سیدھی شاہراہ پر کاروانِ انسانیت کو گامزن کر دیا۔ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید : ۲۵)

ایمان بالرسالت کے متضمنات۔ (ا) رسالت پر ایمان لانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ واسعہ پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ حضرتِ حق کو یہ بات پسند نہ تھی کہ حقِ ابلاغ ادا کیئے بغیر انسانوں کا احتساب کیا جائے اور انہیں سزا دے ڈالی جائے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (الاسراء: ۱۵)

(ب) ایمان بالرسالت کا ایک اور مفہوم وحدتِ دین کا اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر دور، ہر علاقے اور ہر قوم میں آنے والے انبیاء کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اگرچہ تقاضائے حالات کے مطابق شرائع میں اختلاف ہوتا رہا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (البقرہ: ۱۳۶)

(ج) انبیاء و رسل، انسانیت کے حقیقی اور بلند ترین نمونے ہوتے ہیں، وہ مثالی افکار سے عبارت تجریدی ہستیاں نہیں بلکہ مکارمِ اخلاق اور فضائلِ اعمال کی مظہر زندہ شخصیات ہوتی ہیں ان کا تعلق کسی مافوق الفطرت مخلوق سے نہیں بلکہ گوشت پوست کے انسانوں سے ہوتا ہے۔ قرآن اس خیال کی بڑے زور سے تردید کرتا ہے کہ انسانوں کے لیئے رسول کو غیر انسان ہونا چاہیئے اس کے برعکس رسالت کا جو مفہوم ہمارے دل و دماغ میں اتارتا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء نہ خدا ہوتے ہیں نہ خدائی میں شریک ہستیاں اور نہ خدا کی اولاد۔ بلکہ وہ بھی بلحاظ تخلیق عام انسانوں جیسے انسان ہی ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ وحی نازل کرتا ہے تاکہ وہ بندوں تک اس کا پیغام پہنچا دیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ (ابراہیم: ۱۱)

Marfat.com

۳۔ ایمان بالآخرت کیا داستانِ حیات بس اتنی ہی ہے کہ رحمِ مادر اُگل دے اور بطنِ خاک نگل لے اور اس کے بعد کچھ بھی نہ ہو۔ یا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم کو مرنا جینا ہے اور موت کے بعد ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں"(المومنون: ۳۷) اگر حیات دنیا کی حقیقت یہی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ہمارے شعور کی گہرائیوں میں اور ہمارے وجدان میں جو زمانہ قدیم سے یہ خیال راسخ چلا آرہا ہے کہ غائیتِ تخلیق یہی چند سالہ زندگی نہیں بلکہ انسان اس دنیا میں ایک مسافر اور مہمان کی طرح ہے جسے جلد ہی اپنے اصلی گھر لوٹ جانا ہے۔ اس خیال کی بنیاد کیا ہے؟ پوری انسانی تاریخ میں ایک تسلسل کے ساتھ حیات بعد الموت کا تصوّر ملتا ہے۔ آخر ذہنِ انسان پر اس کا تسلّط کیوں؟ قدیم مصری اسی خیال کے زیرِ اثر اپنے مُردوں کی لاشوں کو حنوط کیا کرتے تھے عقیدہ تناسخ کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوجاتا بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز کرتا ہے اور بعض لوگ رُوح کے جسدِ خاکی سے جُدا ہوجانے کے بعد اسے بحالتِ تجرّد ہی جزا کی لذّت اور سزا کی مصیبت سے دوچار سمجھتے ہیں اور کچھ دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد روح موجودہ اجسام سے بہت لطیف مادّی پیکروں میں جلوہ گر ہوجاتی ہے اور انسانوں کی ایک بڑی تعداد، وحی کے حوالے سے بعث بعد الموت کا عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ بہرحال خدا کے پرستار بتوں کے پوجنے والے اور فلسفی سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد فنا نہیں۔ لہٰذا موت کے بعد زندگی کا یہ شعور جو کم و بیش ہر دل میں پایا جاتا ہے (سوائے ملحدوں اور مادہ پرستوں کے ایک قلیل گروہ کے) اسے عقل کی گمراہی تو نہیں کہا جاسکتا، وہم کی پیداوار بھی نہیں۔ پھر آخر یہ کیا ہے؟ اس کی ایک معقول توجیہہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ ایک خالص الہامی تخیّل ہے جو تخلیقِ انسان کے وقت خالق نے اس کی فطرت میں ودیعت کیا اور پھر برابر اس کے لاشعور میں جاگزیں رہا۔ انبیاء نے اس مبہم تخیّل کو عقل و استدلال کی روشنی میں حقیقت کا جامہ پہنایا اور وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم پاکر حیات بعد الموت کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ الہامی تخیّل کی یہ توجیہہ عقل و شعور کو بھی اپیل کرتی ہے اور وجدان بھی گواہی دیتا ہے کہ حقیقت یہی ہے۔ آیئے اس نظریہ کو عقل کی کسوٹی پہ پرکھیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ چوریاں کرتے ہیں۔ ڈاکے ڈالتے ہیں اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کرتے ہیں لیکن قانون کے احتساب سے بالاتر رہتے ہیں، اور بالآخر سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں پر ظلم کرکے مرجاتے

Marfat.com

ہیں۔ اب اگر یہ تمام ظالم اور مظلوم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں اور کسی مظلوم کو انصاف اور ظالم کو سزا نہ ملے تو اندھیر نگردی کی اس کیفیت پہ عقل سر پیٹ کے رہ جائیگی اور تقاضا کرے گی کہ موت کی سرحد پہ ہی ہست و بود کا سارا کھیل ختم نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ ایک اور عالم برپا ہونا چاہیئے۔

اسی طرح کتنے لوگ ہیں جو نیک کام کرتے ہیں۔ بلند مقاصد کے لئے قربانیاں دیتے ہیں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے جہاد کرتے ہیں لیکن دنیا جہالت یا حسد کی وجہ سے ان کے فضل و شرف کا اعتراف نہیں کرتی اور اچھے اعمال کا دنیا میں انہیں کوئی صلہ نہیں ملتا۔ ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر بتائیے کہ کیا ان نیک افراد کا محروم جزا رہنا ٹھیک ہے؟ کیا عقل کے پاس اس بے انصافی کا کوئی جواز ہے؟

پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بہت سے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسے دنیا کا قانون بڑی سے بڑی سزا دیتا ہے اور وہ تختۂ دار پہ لٹکا دیا جاتا ہے، لیکن کیا بے شمار لوگوں کے قاتل، لاتعداد حقداروں کے حقوق کے غاصب اور ان گنت معصوموں پہ مظالم ڈھانے والے مجرم کے لئے یہ سزا اس کے جرائم کی نسبت سے مکمل سزا ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں انصاف کا تقاضا پورا کرنے والی سزا دی ہی نہیں جا سکتی اس کے لئے تو کوئی دوسرا ہی عالم ہونا چاہیئے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے اصلاحی کارناموں کے اثرات اتنے ہمہ گیر اور دور رس ہوتے ہیں کہ وہ کروڑوں انسانوں کی زندگیاں سنوار دیتے ہیں۔ اب اگر انسانیت کے ان محسنوں کو اپنے حُسنِ عمل کا کوئی بڑے سے بڑا صلہ دُنیا میں مل بھی جائے تو کیا وہ مکمل صلہ ہو سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ لہٰذا ان داعیانِ خیر و صلاح کو مکمل جزا بھی کسی دوسرے ہی عالم میں مل سکتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہی دوسرا عالم عالمِ آخرت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حیات بعد الموت کا نظریہ ہی عقلاً صحیح نظریہ ہے

اس کے بعد بعث بعد الموت کا انکار کیوں؟ کیا مُردوں کو دوبارہ جلا اٹھانا کوئی ناممکن اور محال کام ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن دو طرح استدلال کرتا ہے۔ اس کا پہلا استدلال یہ ہے کہ جو ہستی انسان کو عدم سے وجود میں لا سکتی ہے اس کے لئے اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ "وہ ضرور پوچھیں گے کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ کہو وہی جس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا (الاسراء: ۵۱) قرآن کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ ان لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ جس خدا نے یہ زمین اور آسمان پیدا کئے اور ان کو بناتے وقت جو نہ تھکا وہ ضرور اس پہ قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرلے۔ کیوں نہیں، وہ یقیناً ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے (الاحقاف: ۳۳)

Marfat.com

ان تصریحات اور واضح حقائق کے بعد بھی آخرت کا انکار کرنے والا کوئی بڑا ہٹ دھرم اور متعصب انسان ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری زندگی کا باقاعدہ آغاز مردوں کے قبروں سے اٹھائے جانے کے ساتھ ہی ہو جائیگا۔ سب سے پہلے ہر انسان کی فردِ عمل پیش ہو گی اور اللہ تعالیٰ نہایت کڑا احتساب کریں گے اور ہر شخص پہ اس کی نیکو کارانہ یا مجرمانہ حیثیت ناقابلِ تردید شواہد کی بنیاد پر واضح کر دی جائیگی اس کے بعد سعادت مندوں کا گروہ حیات ابدی سے ہمکنار ہو کر باغ بہشت میں پہنچ جائے گا جہاں ان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے اسباب نعمت مہیا کیئے ہوں گے جن سے کوئی آنکھ آشنا نہ ہو گی۔ کسی کان میں اُن کی بھنک تک نہ پڑی ہو گی اور کسی دل میں ان کا خیال بھی نہ گزرا ہو گا۔ دوسری طرف بدنصیبو کا جمِ غفیر جہنم کے ہولناک شعلوں میں پھینک دیا جائیگا۔ جہاں ہر مجرم اپنی سیہ کاریوں کی پاداش بھگتے گا جہنم کا عذاب مادی روحانی دونوں طرح کا ہو گا جس کی سختی کا کوئی اندازہ دنیا میں نہیں لگایا جاسکتا نہ یہاں کی اذیت و تعذیب سے اِسے کوئی نسبت ہی ہو سکتی ہے۔

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ (الفرقان)

ایمان کی امتیازی خصوصیات (۱) واضح عقیدہ:- عقیدہ اسلام (ایمان) میں جو امتیازی صفات پائی جاتی ہیں وہ کسی دوسرے عقیدہ کو حاصل نہیں۔ یہ ایک واضح عقیدہ ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں اس کی رو سے اس عجیب و غریب اور محکم و متوازن کائنات کا ایک رب ہے جس نے اسے پیدا کیا اس کا انتظام فرمایا اور اس میں ہر چیز کو ایک انداز سے وجود بخشا۔ اس کائنات کا رب ہی وہ معبودِ حقیقی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کوئی تشبیہ و تمثیل نہیں۔ اُس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد ہے البتہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کی ملک ہے اور ہر چیز اسی کے تابع امر ہے۔ نیز اس کائنات میں موجود تنوع اور کثرت کے پیچھے عقل جس وحدت و ارتباط کی طالب ہے وہ واضح طور پر اس عقیدہ میں پایا جاتا ہے۔

(۲) فطری عقیدہ:- یہ عقیدہ فطرتِ انسان سے نہ تو غیر مانوس ہے اور نہ اس کے مخالف ہے، بلکہ اس کی فطرت میں پوری طرح راسخ ہے قرآن میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے "پس اے نبی یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی سمت میں جما دو اور قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو

Marfat.com

پیدا کیا ہے۔ اللہ کی سنت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (الروم) : ۳۰)۔ اسی کا مصداق یہ ارشادِ رسولؐ بھی ہے "ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اسلام پر) پھر یہ اُس کے والدین ہوتے ہیں جو اسے یہودی بناتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی۔ پس معلوم ہوا کہ اسلام ایک فطری عقیدہ ہے جو ہر طرح کے خارجی اثرات سے پاک ہے۔

(iii) ثابت و محکم عقیدہ۔ یہ عقیدہ بجائے خود اتنا مضبوط اور محکم ہے کہ اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں اور نہ کوئی تحریف اور تبدیلی ہو سکتی ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم، علمی اکادمی یا دینی مشاورت اس امر کی مجاز نہیں کہ عقیدۂ اسلام میں کوئی اضافہ کر سکے۔ یا کسی نئی چیز کو اس کی طرف منسوب کر سکے ایسی ہر کوشش، کرنے والے کے منہ پر دے ماری جائیگی " مَنْ احدث فی امرنا هٰذا ما لیس منه فهو ردٌّ" (متفق علیہ) قرآنِ پاک بھی ایسی الحاقی و اضافی کاروائیوں کی صاف صاف تردید کرتا ہے۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ : ۲۱)" کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریکِ خدا رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔ ان تصریحات کے بعد اس امر میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ بدعت یا کوئی اور چیز از قسمِ اساطیر و خرافات عقیدۂ اسلام میں راہ نہیں پا سکتی۔ اگر ایسی کوئی چیز اس میں ٹھونسنے کی کوشش کی جائیگی تو وہ مردود ہوگی اور حجت نہ بن سکے گی۔

(iv) مدلل اور مُبرہن عقیدہ۔ عقیدۂ اسلام کوئی ایسا عقیدہ نہیں جو یہ کہے کہ "پہلے مانو پھر جاننے کی کوشش کرو" یا "آنکھیں بند کر کے میرے پیچھے چلے آؤ"۔ اس کے برعکس یہ دلائل و براہین پر مبنی عقیدہ ہے جو دنیا بھر کے لوگوں کو چیلنج کر کے کہتا ہے " هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط (البقرہ : ۱۱۱) " اگر سچے ہو تو دلیل لاؤ"۔ اسی طرح یہ عقیدہ صرف قلب و وجدان کو ہی مخاطب نہیں کرتا نہ ان پر اعتقاد کی بنیاد رکھتا ہے۔ بلکہ یہ حجتِ بالغہ، برہانِ قاطع اور تعلیلِ واضح کو رہبر بناتا ہے۔ اور اُن کی وساطت سے دل و دماغ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ منقولات کی اساس معقولات ہیں۔ نیز نقلِ صحیح، کبھی عقلِ صریح کی مخالف نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں جا بجا وجودِ باری تعالیٰ، اُس کی وحدانیت، احیائے موتیٰ اور دوسری بنیادی تعلیمات، انفس و آفاق کے دلائل سے مدلل ملتی ہیں اور یہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ ایمان

Marfat.com

جس چیز کا نام ہے وہ دلیل وحجت سے عبارت ہے، اُسے جہالت، تعصّب، ہٹ دھرمی یا اندھی تقلید سے کوئی سروکار نہیں۔

(۷) عقیدۂ وسط و اعتدال۔ یہ عقیدہ خدا کے منکرین اور بے شمار خداؤں کے قائلین کے بین بین ایک مسلکِ اعتدال پیش کرتا ہے۔ اور وہ ہے مسلکِ لا الٰہ الا اللہ۔ یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی طرح صفاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں فلسفۂ یونان کے سلبی تخیلات اور تشبیہ و تجسیم کے ایجابی نظریات کے مقابلے میں عقیدۂ اسلام ایک طرف لیس کمثلہ شیئ اور ولم یکن لہ کفواً احد کہہ کر مشبّہین کی تردید کرتا ہے تو دوسری طرف فلسفۂ یونان کی تغلیط کرتے ہوئے ذاتِ حق کو حیّ و قیّوم علیم خبیر، سمیع و بصیر اور فعّالٌ لما یرید بھی بتاتا ہے اور بے شمار دوسری صفات کا بھی اثبات کرتا ہے ایک بے شعور آدمی جو ہر بات میں آبا و اجداد کی پیروی کرتا ہے اور کبھی عقل سے کام نہیں لیتا، اور ایک عقل پرست جو ہر چیز کی تہ تک پہنچنے کی دھن میں حقیقت و ماہیتِ الوہیت کا سراغ لگانا چاہتا ہے —— دونوں کو یہ عقیدہ راہِ اعتدال پہ لاتا ہے۔ پہلے کے لئے اس کی تعلیم ہے

کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص۔۲۹)

"یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسے (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اِس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اِس سے سبق لیں" اور دوسرے کو کہتا ہے۔

تفکّروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ فتھلکو —— (حدیثِ رسولؐ) اللہ کی پیدا کردہ اشیاء میں ضرور غور و فکر کرو لیکن ذاتِ حق کے بارے میں عقل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہلاک ہو جاؤ" دوسرے عقائد کے مقابلے میں نہ تو یہ کمزوری و بزدلی دکھاتا ہے اور نہ غلبۂ استیلاً کی صورت میں مخالف نظریات کا بجبر و قوت خاتمہ چاہتا ہے بلکہ ایک درمیانی راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس کی تعلیم میں کتنا توازن ہے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ○ (الروم : ۶۰) "پس اے نبیؐ صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تمہیں ہرگز ہلکا نہ پائیں وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے" اور دوسری طرف بڑی فراخدلی سے اعلان کرتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ اور لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ○ (الکٰفرون:۶) "دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ نیز "تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین"، انبیاء

Marfat.com

رُسُل کے بارے میں دنیا افراط و تفریط کا شکار ہو جاتی ہے۔ بعض غالی معتقد اُنہیں درجۂ اُلوہیت پر فائز کر دیتے ہیں جبکہ بعض دوسرے بدباطن اور خبیث فطرت لوگ انہیں اتباعِ شہوات اور ارتکابِ منکرات کی پستیوں میں دھکیل دیتے ہیں لیکن عقیدۂ اسلام ان کو نہایت پاکباز، عفت و عصمت کے پیکر، تمام انسانوں سے افضل اور خدا کے محبوب بندوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی و رسالت کے لئے انسانوں ہی کے اندر سے منتخب کر لیا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ عقیدہ ایک عقیدۂ وسط ہے جبر و اختیار کے دو انتہائی نظریات میں بھی یہ ایک بیچ کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کی نظر میں انسان نہ تو مجبورِ محض ہے نہ مختارِ مطلق اس کی رو سے کائنات میں ایک با اختیار ہستی تو وہ ہے جو تمام اختیارات کا سرچشمہ ہے اور جس کے اختیارات لامحدود ہیں اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور دوسری با اختیار ہستی خود انسان ہے جس کا اختیار محدود ہے اور جو سراسر اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے تابع ہے پس انسان اختیار سے بہرہ ور تو ہے لیکن یہ اختیار خدا کا عطا کردہ ہے۔ لہٰذا لامحدود نہیں اور اس کی بالکل نفی بھی غلط ہے۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ

عقیدۂ اسلام کا جتنا گہرا مطالعہ کرتے چلے جایئے اس کا افراط و تفریط سے پاک کردار سامنے آتا جائیگا اس کی کسی تعلیم کو اٹھا کر دیکھ لو، انسانیت کو انتہا پسندی سے بچا کر حقیقت پسندی کی راہِ اعتدال کا شعور بخشتی نظر آئے گی اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

Marfat.com

دوسرا باب

انفرادی زندگی پر ایمان کے اثرات

ایک انسان اپنی زندگی میں کیا چاہتا ہے؟ اسے کس چیز کی تلاش لاحق رہتی ہے؟ اور کن عظیم اور ارفع مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں رہتا ہے؟ ان سوالات کا جواب باسانی دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ہماری نظر گردوپیش کے حالات پر ہو اور تاریخ انسانی سے بھی بخوبی واقف ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

فرد کی زندگی پر ایمان کے اثرات

ایک سلیم الفطرت انسان یہ چاہتا ہے کہ اپنے مقامِ انسانیت کو سمجھے اور اُن امتیازی اوصاف کے ساتھ زندہ رہے جن کی وجہ سے وہ انسان کہلانے کا مستحق ہے، اور اس عالمِ کون و مکاں میں اس کی شخصیت کی عزت متعین ہو۔ پھر وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اُسے اپنے وجود کی غایت اور پوری طرح اس کا شعور ہو۔ وہ کیڑے مکوڑوں، چوپایوں اور دوسرے حیوانات کے درمیان ایک منفرد، ممتاز، اور قابلِ ذکر ہستی کی حیثیت سے رہنا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں فرد کو طاقت بھی درکار ہے۔ عالمِ مادی کے حادثات و واقعات سے نمٹنے کے لئے، دوسروں کی سرکشی اور خود اپنے نفس کی خواہشات کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت کی ضرورت ہے۔ حصولِ مقاصد اور ادائے فرائض کے لئے وہ قوت کا طالب ہے۔ ایسی قوت جس سے وہ اعلیٰ اقدارِ حیات کا تحفظ اور کثیر الوسائل معاشرہ کے غلط اور ناپسندیدہ رجحانات کا تدارک کر سکے نیز جو اس کے ضعفِ جسمانی اور عجزِ طبعی کا بھی بدل بن سکے۔ مزید برآں انسان کو ایک اور چیز کی بھی تلاش رہتی ہے اور وہ ہے سعادت و خوش بختی۔ انسان اپنے ایامِ حیات، اطمینانِ قلب اور ذہنی سکون کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ وہ رضائے ذات کا طالب اور نیک اور مقدس تمناؤں کا آرزومند ہوتا ہے اور انفس و آفاق پر محبت کی عملداری دیکھنا چاہتا ہے۔

رہے وہ لوگ جو حیوانوں کی طرح زندہ رہنے، کھانے اور مرمٹ جانے کی متمنّی ہوں یا درندوں اور بھیڑیوں کی ظلم و زیادتی کے خوگر اور قتل و غارت گری کے دلدادہ ہوں اور انہی مشاغل میں لذت و سرور پاتے ہوں ایسے لوگوں کو کسی درجہ میں بھی انسانیت کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ان کا ذکر بے فائدہ ہے۔

ان صفحات میں ہم اِس بات کا جواب دیں گے کہ فرد کے حقیقی مقاصد اور سچی امنگوں کی تکمیل میں ایمان کیا کردار ادا کرتا ہے؟

Marfat.com

ایمان اور تکریم انسان

انسان، مادہ پرستوں کی نظر میں انسان کیا ہے؟ ایک مشتِ خاک جس نے زمین سے نشو و نما پائی، زمین ہی پر چلتا پھرتا اور، کھاتا پیتا ہے اور زمین ہی میں مل جائیگا۔ یہ خون، گوشت اور ہڈیوں کا مجموعہ ہے جس کے مغزِ استخواں سے اُسی طرح عقل و فکر پیدا ہوتی ہے جس طرح جگر سے صفراء۔ انسان کوئی بڑی اہم ہستی نہیں جو دوسری مخلوقات سے ممیز و ممتاز ہو۔ بلکہ یہ بھی از قسم حشرات و حیوانات، ایک حیوان ہی ہے جس نے مرورِ زمانہ سے ترقی کر لی اور اپنی موجودہ شکل کو پہنچا۔ بہر حال اس وسیع و عریض عالم موجودات میں انسان ایک نہایت کمزور وجود ہے جو چند ہزار سال سے کرۂ ارضی پہ آباد ہے۔ حالانکہ اس کائنات میں خود یہ زمین اور اس پہ پائی جانیوالی اشیاء لاکھوں کروڑوں سالوں سے موجود ہیں بلحاظ زمان و مکان انسان کی یہی حیثیت ہے۔ رہا اس کا جسدِ خاکی تو وہ تقریباً ڈیڑھ سو پونڈ وزن رکھتا ہے جس میں دہنیات کی مقدار اتنی ہوتی ہے جس سے صابن کی سات ٹکیاں بن سکیں۔ اتنی کاربن ہوتی ہے جتنی کہ سات پنسلوں میں۔ اتنا فاسفورس جس سے سوا سو دیا سلائیاں بن سکیں میگنیشیم اتنی مقدار میں کہ جس سے ایک گھونٹ مسہل دوائی تیار ہو سکتی ہو۔ ایک درمیانہ ساخت کی میخ کے برابر لوہا۔ اتنا چونا جو ایک مرغی خانہ کی سفیدی کے لئے کافی ہو اور گندھک کی اتنی مقدار جس سے ایک کتے کی کھال صاف کی جاسکے نیز دس گیلن پانی۔ تو یہ ہیں وہ عناصر جن سے انسان کا جسم مرکب ہے اور اتنی مقدار میں مذکورہ عناصر بازار سے چند روپوں کے عوض دستیاب ہو جاتے ہیں۔ اب آپ اندازہ کر لیں کہ مادی انسان کی قیمت کیا ٹھہری

ملاحدۂ عرب میں سے ایک معاصر کہتا ہے "کیا ہماری کوئی فکر حشرات الارض کی فکر سے بڑھ کر بھی ہے۔ ہم اپنی ذات کے علاوہ کچھ نہیں اور یہی حال حشرات کا ہے۔ ہمیں اثباتِ ذات کے سوا کچھ نہیں چاہیئے ہم میں اور کیڑے مکوڑوں میں کوئی فرق نہیں سوا اس کے کہ ہم ترقی یافتہ جانور ہیں ——— اور وہ کم ترقی یافتہ" ڈارون، فرائڈ اور ان جیسے دوسرے مادہ پرست، انسان کو بلندیوں سے روشناس کرانے کی بجائے اسے پستیوں میں دھکیلتے ہیں۔ ان کی نظر میں انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے جسے روحِ الٰہی اور ہدایتِ سماوی کی ہوا تک نہیں لگی۔ انسان کو غلاظت میں آلودہ اور کیچڑ میں لت پت دیکھ کر ان کو کوئی تعجب اور حیرت نہیں ہوتی، البتہ اگر طہارت و پاکیزگی کا ذکر ہو، خواہشِ نفس اور حرص و

Marfat.com

آز سے بیزاری کی بات ہو اور انسان رضائے حق کا طلبگار اور اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی لگاتا ہوا نظر آئے تو مادہ پرست حضرات فوراً کان کھڑے کر لیتے ہیں۔

انسان اہلِ ایمان کی نظر میں صاحب ایمان کی نظر میں انسان، اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت باعزت اور باشرف مخلوق ہے جسے اس نے بہترین شکل و صورت عطا کی علم و ارادہ کی امتیازی صفات بخشیں مسجودِ ملائک بنایا اور پھر اسے اپنا نائب بنا کر زمین پر اتارا۔ اور ارض و سمٰوات میں جو کچھ ہے اس کے لیئے مسخر کر دیا۔ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ابن آدم! میں نے تجھے اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا اور باقی تمام مخلوقات کو تیری خدمت کے لیئے۔ تجھ پر میرا یہ حق ہے کہ میرے بتائے ہوئے مقصدِ زندگی سے نظریں ہٹا کر اُن چیزوں کا ہو کر نہ رہ جا جو میں نے تیرے لئے پیدا کی ہیں۔ ابن آدم! تُو مجھے تلاش کر، مجھے پالے گا۔ اگر تو نے مجھے پالیا تو گویا ہر چیز کو پالیا اور اگر تو مجھے ہی نہ پا سکا تو پھر کسی بھی چیز کو نہ پا سکے گا چاہیئے کہ میں تیری نظر میں ہر شے سے پیارا بن جاؤں۔

بلاشبہ انسان اس وسیع و عریض کائنات میں بلحاظ وجود کچھ بھی نہیں، لیکن اپنی رُوح اور اپنے معنوی وجود کے اعتبار سے بہت کچھ ہے ؎

وَتَزْعَمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ
وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

ترجمہ:- تیرا خیال ہے کہ تو ایک چھوٹا سا وجود ہے۔ حالانکہ تیرے اندر ایک بڑا جہان سمٹ آیا ہے۔

اہلِ ایمان یقین رکھتے ہیں کہ موت انسانی زندگی کی انتہا نہیں یہ محض ایک مرحلہ و مقامِ انتقال ہے۔ حیاتِ دنیوی سے حیاتِ اُخروی کی طرف، بلکہ حیاتِ ابدی کی طرف سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۝ (الزمر: ۷۳)

انسان کا یہی وہ مقامِ عزت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سینکڑوں آیات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اوّلین وحی میں انسان ہی کو خطاب فرمایا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا

پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اُسی نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھو اور یقیناً تمہارا پروردگار بڑا

Marfat.com

لَمۡ یَعۡلَمۡ ۝ ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم بخشا اُن باتوں کا انسان کو علم بخشا جو اسے معلوم نہ تھیں"
ان آیات میں انسان کا اس کے رب کے ساتھ تعلق بیان کیا گیا ہے۔ پیدائش اور تکریم کا تعلق نیز ہدایت
اور تعلیم کا تعلق۔ اسی طرح پورا قرآن انسان کی بلندئی درجات اور مدارج کمال کے تذکروں سے بھرا پڑا ہے
کہیں اگر فسق و فجور کی پستیوں میں گرے ہوئے انسانوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مقصود وہاں بھی یہی ہے کہ اس قعر
مذلت کا احساس دلا کر انہیں اپنی عظمت سے آشنا کیا جائے۔

اللہ کے ہاں انسان کا مرتبہ و مقام

قرآن کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کا انسان سے اور انسان کا اللہ تعالیٰ سے قریبی تعلق بیان کیا
گیا ہے اور بعض مذہب پسند لوگوں کے اس خیال کی قطعی تردید کی گئی ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان کچھ
واسطے حائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

(البقرہ :- ۱۸۶)

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (اُن سے کہو) کہ میں (ان سے) بہت قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں" (البقرہ ۱۸۶)

اور یہ کہ :

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (ق - ۱۶)

بلاشُبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں اس کا نفس اسے کن وسوسوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اور ہم رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں:

اسی مقام قرب کو ایک اور حدیث قدسی میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میں اپنے
بندے کے لئے ویسا ہی ہوں جیسا وہ مجھے خیال کرتا ہے اور میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے

Marfat.com

اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اُسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ بالشت بھر میرے قریب ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آ جاتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میری طرف بڑھے تو میں دو تین ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔ وہ میرے پاس چل کے آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچتا ہوں" یہ ہے اللہ کی جناب میں انسان کا مقام۔

ملاءِ اعلیٰ میں انسان کا مرتبہ تخلیقِ آدم سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔ ملائکہ نے خلافتِ بشری کے بارے میں بعض خدشات کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔ مولائے کریم آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ ان کا مدعا غالباً یہ تھا کہ ہماری موجودگی میں ایک نئی مخلوق کے سر پہ خلافت کا تاج رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر عظمتِ آدمؑ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اس کے بعد ملاءِ اعلیٰ میں عظمتِ آدمؑ کا باقاعدہ اعتراف کیا گیا:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝	جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب میں اُسے پوری طرح بنا دوں اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا اس حکم کے مطابق سب کے سب فرشتے سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہو گیا

اللہ کے حکم سے سرتابی اور فضیلتِ آدم کا انکار کرنے کی پاداش میں ابلیس لعنت اور پھٹکار کا مستحق ٹھہرا۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اس طرح عالمِ بالا میں انسان کو شروع ہی سے نہایت محترم مقام حاصل رہا ہے۔

عالمِ مادی میں انسان کا مرتبہ و مقام اس وسیع عالمِ مادی میں انسان ایک مرکزی شخصیت ہے۔ جو اشرف المخلوقات ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اس کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے مہر و ماہ جیسے عظیم الشان سیاروں سے لے کر ایک ذرہ خاک اور قطرہ آب تک کی تخلیق انسان ہی

Marfat.com

کے استعمال و استمتاع کے لئے ہے۔ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (لقمان - ۲۰)

علمائے اسلام کے نزدیک انسان کا مقام | ابوبکر ابن العربیؒ۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے بہتر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حیّ و علیم، قادر و متکلّم، سمیع و بصیر اور مدبّر و حکیم بنا کر پیدا کیا ہے اور یہ صفات خدائے بزرگ و برتر کی ہیں۔

امام غزالیؒ۔ انسان اپنے اندر صفات محمودہ پیدا کرلے تو اُسے ذات حق کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا اشارہ اسی طرف ہے۔ ذی علم ہونا، خلق خدا پہ احسان کرنا اور لطف و ترحّم سے پیش آنا، حق کی طرف اس کی رہنمائی کرنا اور کفر و باطل سے اُسے بچانا، اور ایسے ہی شریعت کے دوسرے احکام پر عمل کر کے انسان خدا کے قریب ہوتا ہے، اور اس علیّ و عظیم ہستی کا قرب خود انسان میں بھی علو و عظمت پیدا کر دیتا ہے۔

امام ابن قیمؒ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے نوع انسانی کو انتخاب کیا۔ اس کی تکریم کی اور اسے فضل و شرف بخشا، اسے اپنی اطاعت و بندگی کے لئے اور باقی تمام چیزوں کو اس کی خدمت کیلئے پیدا کیا۔ اسے اپنی معرفت، اپنی محبت اور اپنا قرب عطا کیا۔ ارض و سماوات میں جو کچھ ہے، اس کے لئے مسخر کر دیا۔ حتّٰی کہ فرشتوں کو بھی جو بیداری و خواب اور سفر و حضر میں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی پہ اللہ نے اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے، اسے خطاب فرمایا اور اس سے کلام کیا۔ غرض حضرت حق سے انسان کو وہ مقام بلند نصیب ہوا جو کسی دوسری مخلوق کو نہ مل سکا۔

شرف انسانی کے بعد عزت ایمانی | یہ کرامت و بزرگی تو وہ ہے جو ایک انسان کو بلحاظ انسان حاصل ہے، لیکن اگر وہ صاحب ایمان ہو تو عزت و شرف کی انتہائی بلندیوں پہ فائز ہو جاتا ہے۔ پھر وہ "خیر اُمت" قرار پاتا ہے اور خدا و رسول کی نظر میں معزز و محترم ٹھہرتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ اُسے دنیا میں غلبہ و استیلا اور مقام قیادت و سیادت نصیب ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت ربّ جلیل کی تائید و نصرت، حمایت و حفاظت اور معیت و رفاقت میں رہتا ہے۔ اس کا فعل صلاح اعمال کا معیار، اُس کا قول محکم و معتبر، اس کی رضا اللہ کی رضا اور اُس کا غضب اللہ کا غضب بن جاتا ہے۔ غرض یہ ایمان ہے جو انسان کو سطح خاک سے اٹھا کر اوج افلاک پہ پہنچا دیتا ہے۔

Marfat.com

وَمِمَّا زَادَنِی شَرَفًا وَعِزًّا ۔۔۔ وَکِدْتُ بِاَخْمَصِی اَطَاُ الثُّرَیَّا

انسان کے بارے میں اسلام اور مادیت کے تصورات میں فرق۔ ایک آدمی زندگی بسر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ بس حیوان ہی ہے جس کی پیدائش سے پہلے کوئی اصل نہیں۔ اور موت کے بعد جس کا سلسلہ آگے نہیں چلتا اور اس کائنات سے جس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا انسان ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ زمین پہ اللہ کا نائب ہے۔ اور حق و صداقت کے نفاذ، خیر و برکت کے صدور اور نیکی اور بھلائی کی اشاعت میں اس کی نیابت کر رہا ہے اور جانتا ہے کہ یہ تمام کائنات اس کی خادم ہے ملائکہ اس کے مطیع ہیں اور رب موجودات کی معیت اسے حاصل ہے، نیز اس کا شمار انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین میں ہے کہ جن پر اللہ نے بے حد و حساب انعامات کیے ہیں۔ یہ دوسرا انسان پختہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ موت کے ساتھ ختم ہو جانے والا نہیں اور نہ قبر اس کا آخری گھر ہے بلکہ وہ ہمیشہ رہنے کیلئے پیدا ہوا ہے ۔۔۔ ان دونوں انسانوں کے افکار میں یہ عظیم فرق دراصل دو نظریات کا فرق ہے جنہیں اسلام اور مادیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آج انسان کے بارے میں جو فکر مغربی تہذیب و تمدن کی رہنمائی کر رہا ہے وہ سراسر مادہ پرستانہ فکر ہے جو اسلام سے ذیل کے تین بنیادی اُمور میں بالکل مختلف ہے۔

(۱) اس کائنات میں انسان کی حیثیت و منزلت (۲) اس کی فطرت (۳) اس کا وظیفہ حیات اور اس کی غائیت۔

انسان کی حیثیت و منزلت عقیدۂ اسلام کے مطابق انسان کی حیثیت زمین میں خلیفۃ اللہ کی ہے جو اپنی تخلیق کے اعتبار سے ایک منفرد، مکرم اور مسئول ہستی ہے۔ اس کا وجود دنیا میں مستقل بالذات نہیں بلکہ اپنے خالق مالک اور پروردگار کے ارادہ و مشیت کے تحت قائم ہے اور صرف اسی کے حکم کا تابع ہے اس کے برعکس مادیت کے علمبردار انسان کو کوئی باشرف مخلوق نہیں سمجھتے۔ ان کی نظر میں وہ از قسم نباتات ایک چیز ہے جو خود بخود عدم سے وجود میں آگئی اور کچھ عرصہ زندگی گزارنے کے بعد جسے ہلاک اور فنا ہو جانا ہے۔ یا پھر وہ ایک ذی شان حیوان ہے، ایک اجتماعیت پسند حیوان اور ایک ترقی پذیر حیوان، جو ترقی کے بے شمار مراحل طے کرنے کے باوجود حیوان ہی رہتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس حیوان کو علم و تجربہ کی بناء پہ مادہ و طبیعیات پر کچھ بالادستی حاصل ہو گئی ہے لیکن عجیب بات ہے

Marfat.com

کہ یہی حیوان محدود علم، محدود ارادہ و اختیار اور تصرف و کارفرمائی کی محدود صلاحیتوں کو اپنے اندر موجود پاکر خدا ہونے کا دعویدار بن بیٹھتا ہے۔ چنانچہ اس نظریۂ مادیت کے تحت شعور کی دو مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔

ایک تو انسان کو اپنے بارے میں کم عقل ہستی۔ بے فائدہ و بے کار شے اور حیوان محض ہونے کا شعور ہے اور دوسرا وہ شعور ہے جو انسان میں احساس فخر و غرور اور جذبۂ تکبر و تعلی پیدا کرتا ہے۔ جس کے تحت "انسان ہی دنیائے جدیدہ کا صاحب ارادہ خدا ہے"۔ لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ جب انسان کی آنکھوں کے آگے سے جہالت و طغیان کا پردہ سرکنے لگا اور مشینی انقلاب اور مادی چمک دمک کی حقیقت اس پر کھلنے لگی تو اسے وہ بحران محسوس ہونا شروع ہوگیا جو اس کی ذات میں مادہ پرستانہ افکار قبول کرنے کی بناء پر پیدا ہو رہا تھا۔ اس حقیقت کا سراغ بہت سے مغربی ناقدین کی کتابوں میں ملتا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ الیکسی کیریل، شپینگلر، الفرڈ کا بن وغیرہ۔

انسان کی فطرت فطرتِ انسانی حقیقتاً کیا ہے؟ اس مسئلہ کی تہ تک پہنچنے میں مادہ پرستوں کو خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ایک مشہور امریکی پروفیسر اپنی کتاب حیات الروح میں لکھتا ہے:

"انسان کی عجیب و غریب اور ملی جلی فطرت ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے اہل علم کو زمانۂ قدیم سے ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ جسمانی پہلو سے دیکھا جائے تو انسان مادہ ہے کیونکہ اس کا جسم پیدا ہوتا ہے۔ نشوونما پاتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان جسم ہی کا نام نہیں، اس میں ایک اور چیز بھی پائی جاتی ہے۔ جس کے ادراک سے حواس خمسہ عاجز ہیں جو اس جسدِ خاکی پر حکمرانی کرتی ہے۔ اور جس میں شعور و فکر کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ یہی دوسری چیز فطرتِ انسانی کا وہ پہلو معلوم ہوتا ہے۔ جس میں اس کے وجود کا جوہر مرتکز ہے۔ پس انسان دو چیزوں کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ ایک تو مادی وجود ہے اور دوسری کوئی غیر مادی شے۔ کیا یہ دونوں چیزیں حقیقت ہیں یا ان میں سے ایک نرا وہم ہی ہے؟"

یہ ہے فطرتِ انسانی کے فہم میں مادیت کے پرستاروں کی گمراہی۔ اس کے مقابلے میں دیکھئے کہ اسلام کو فطرتِ انسانی کے بارے میں کیسی مکمل معرفت اور شعورِ تام حاصل ہے۔ اس کے نزدیک انسان دو چیزوں سے عبارت ہے۔ جسم کثیف اور روح شفاف۔ جسم اس کا تعلق زمین کے ساتھ جوڑتا ہے جبکہ روح اسے بلندیوں پہ فائز دیکھنا چاہتی ہے۔ جسم مختلف قسم کے مادی داعیات کی آماجگاہ

Marfat.com

ہے۔ جبکہ روح انسان کو آفاقی رفعتوں سے ہمکنار کرنے کی کوشش کرتی ہے جسم کے مطالبات حیوانات کے مطالبات سے مشابہ ہیں اور رُوح کی امنگیں ملائکہ کے ارمانوں سے ملتی جلتی ہیں جسم و رُوح پر مشتمل یہ وہ مخلوط فطرت ہے جو دفعتہً اور اتفاقاً وجود میں نہیں آگئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کا نادر نمونہ ہے

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

(السجدہ ۶-۹)

وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، زبردست اور رحیم۔ جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اسکی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے پھر اس کو نک سُک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی رُوح پھونک دی اور تم کو کان دیئے آنکھیں دیں اور دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر گذار ہوتے ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نہ جسم کے تقاضوں کو فراموش کیا ہے اور نہ رُوح کے مطالبات کو پس پُشت ڈالا ہے بلکہ رُوح اور جسم دونوں کے حقوق ادا کئے ہیں اور اس سلسلہ میں کمال درجہ توازن اور اعتدال کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے برعکس تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والے فطرتِ انسانی سے ناواقفیت کی بناء پر رُوح کو ترقی دینے کے لئے جسم کی تعذیب کے درپے ہو گئے جیسا کہ ہندو مت اور مسیحیت کے پیروؤں نے کیا۔

اس رجحان کے مقابلے میں ایک دوسرا انتہا پسندانہ رجحان مادیت کے علمبرداروں نے اختیار کیا انہوں نے رُوح اور خالق روح دونوں کا ہی انکار کر دیا اور جسم کے حیوانی مطالبات کی تکمیل میں اس طرح کھو گئے کہ رُوح کے تقاضے یکسر نظر انداز ہو گئے اور انسان نرا حیوان بن کر رہ گیا۔

انسان کا وظیفۂ حیات اور اس کی غایت انسان کی تخلیق کارِ عبث نہیں۔ نہ اسے پیدا کر کے بے لگام چھوڑ دیا گیا ہے۔ خواہشات کی بندگی یا موجود عناصر میں سے کسی عنصر کی بندگی بھی اس کا مقصدِ حیات نہیں جانوروں کی طرح کھانے پینے اور کچھ عرصہ زندہ رہنے کے بعد فنا ہو جانا بھی اس کا مقدر نہیں۔ عقیدۂ اسلام کے مطابق انسان خدا کی بندگی و اطاعت کے لئے پیدا ہوا ہے۔ خدا کی مرضی و منشاء کے مطابق زمین پر اسی کی نیابت

Marfat.com

کرنے پر مامور ہے۔ اسے تکلیفِ عمل دی گئی ہے اور بارِ مسئولیت اس پر ڈالا گیا ہے اور حیاتِ فانی کے آزمائشی لمحات بسر کرنے کے بعد موت کی سرحد عبور کر کے بالآخر اُسے حیاتِ خلود و بقا سے ہمکنار ہونا ہے دوسری طرف مادیت کی ملحدانہ فکر انسان کی کوئی منزل اور غایت متعین نہیں کرتی کیونکہ منزل کا تعین کسی مقصد کے لئے ہوتا ہے اور مادیت کا فلسفہ انسان کو ایک بے مقصد حیوان قرار دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے پاس انسانیت کے نام کوئی پیغام نہیں۔ الا یہ کہ خوب محنت و مشقت کی جائے تاکہ عیش و عشرت کے اسباب فراہم ہو سکیں بس یہ عیش و عشرت کا حصول اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہی وہ مقصدِ حیات ہے جو ایک مادہ پرست کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ اس کی مثال ایک مغربی ادیب کے بقول اس کتے کی سی ہے جو اپنی دم پکڑنے کے لئے اپنے ہی گرد گھومتا رہتا ہے اور نہ تو اُسے دُم ہی ہاتھ آتی ہے اور نہ اس کی گردش ہی رکتی ہے اور اسی بے فائدہ اور بے ہُودہ کھیل میں اُس کی ساری عمر صرف ہو جاتی ہے۔ قرآن بھی تمثیل کے پیرائے میں نفس کے پرستاروں کی کیفیت بہت پہلے اس طرح بیان کر چکا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(الاعراف ۱۷۵ : ۱۷۶)

اور اے ہمارے رسول! ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان پابندیوں سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا۔ لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اُس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ہے اُن لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں بس ایسے واقعات بیان کرتا کہ لوگ غور و فکر کریں

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو جو قدر و منزلت اور عزت و شرف بھی ملا ہے ایمان کی بدولت ملا ہے یہ صفت ایمان ہی کی ہے جس نے انسان کو محبوبِ خدا

Marfat.com

مسجودِ ملائک اور مقصودِ کائنات بنایا ہے۔ اگر دامنِ انسانیت متاعِ ایمان سے خالی ہو جائے تو پھر کوئی جدید سے جدید فکر اور نام نہاد ترقی و تہذیب کی کوئی بڑی سے بڑی کوشش بھی اسے ثریا کی بلندیوں سے ثریٰ کی پستیوں کی طرف لڑھکنے سے بچا نہیں سکتی۔

ایمان اور سعادت و سکینت

سعادت و خوش بختی قلب و نگاہ کی ایک ایسی فردوسِ گم گشتہ ہے جس کا ہر انسان فطری طور پہ طلب گار ہوتا ہے ایک بلند پایہ فلسفی سے کر ایک سادہ لوح دیہاتی تک، عظیم الشان محل میں مقیم بادشاہ سے لے کر جھونپڑے میں رہنے والے فقیرِ بے نوا تک، ہر شخص گوہرِ سعادت کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ گوہرِ نایاب آخر ہے کہاں؟ انسانیت کی یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ اسے اُن مقامات پہ ڈھونڈتی ہے جہاں اس کا وجود ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ اُس شخص کے فاترالعقل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے جسے تلاش تو لولوئے لالہ کی ہو، مگر وہ سمندر کا رخ کرنے کی بجائے صحراؤں کی خاک چھانتا پھرے ایسے شخص کی قسمت میں اگر محرومی نہ ہو گی تو اور کیا ہو گا۔ اسی طرح کے فاترالعقل انسانوں نے گوہرِ سعادت کو کبھی مادی ساز و سامان کی فراوانی میں تلاش کرنے کی کوشش کی اور کبھی حسی لذات کی تکمیل میں اسے ڈھونڈا، مگر "قیس" کے حصے میں سوائے دشت پیمائی کے اور کوئی چیز نہ آئی۔

کیا مادی عیش و عشرت کا نام سعادت ہے لوگوں کا خیال ہے کہ مادی ساز و سامان، مال و دولت کی کثیر مقدار اور مادی نعمتوں کی فراوانی سے آدمی سعادت مند بن جاتا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ اُن ممالک میں جا کر دیکھیے جہاں عوام کا معیارِ زندگی بہت بلند ہے۔ کھانے پینے اور رہائش کی سہولتیں ایک سے ایک بڑھ کر لوگوں کو میسر ہیں مگر اس کے باوجود وہ زندگی کی تلخیوں کے گلہ مند ہیں اور اپنے آپ کو شدید گھٹن میں مبتلا پاتے ہیں اس کی وجہ آخر کیا ہے؟ مجلہ "روزالیوسف" کے مدیرِ اعلیٰ نے کئی سال ہوئے دو مقالے شائع کئے تھے جن کا عنوان تھا "اہلِ جنت بھی سعادت مند نہیں" اہلِ جنت سے اس کی مراد سویڈن کے باشندے ہیں جو معاشی طور پہ اتنے ہی فارغ البال ہیں جتنا کہ کوئی شخص تصور کر سکتا ہے اُن کو نہ افلاس کا ڈر ہے نہ بے روزگاری کا خطرہ، نہ بڑھاپے کا خوف۔ حکومت ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی کی ضامن ہے۔ وہ معذور

Marfat.com

اور بے ہنر افراد کی کفالت کرتی ہے۔ رہائش، بیماری اور مہنگائی کے الاؤنس دیتی ہے۔ ہر عورت کو بچے کی تولید پر اُس کی تربیت اور نگہداشت کا وظیفہ ملتا ہے۔ مزید برآں ہر بچے کو بھی چالیس مصری پونڈ کے حساب سے سالانہ امداد دی جاتی ہے۔ کارخانوں میں نوجوانوں کو ہنر آموزی کے علاوہ خوراک اور پوشاک کی سہولتیں حاصل ہیں۔ لازمی فرائض کی ادائیگی کے وقت حادثہ کی صورت میں معقول معاوضہ ادا کیا جاتا ہے طلباء کو تعلیمی وظائف اور نو بیاہتا جوڑوں کو گھریلو ساز و سامان خریدنے کے لئے امدادی قرضے دیئے جاتے ہیں غرض ہر فرد کو اجتماعی تحفظ کی مختلف سکیموں کے تحت قومی آمدنی سے پانچ ساڑھے پانچ سو مصری پونڈ سالانہ ملتے ہیں۔ مقالہ نگار صحافی کہتا ہے۔ کہ ایسے معاشرہ میں بھی جس میں قدم قدم پر ہر فرد کی کفالت کا اہتمام ہے۔ لوگ ایک قلق اور اضطراب کا شکار ہیں۔ ان کی زبانوں پر شکایت اور دلوں میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے اور ان کی مایوسی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ خودکشی کر لیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے والے ایک دو نہیں اُس "ارضی جنت" میں ہزاروں لوگ موجود ہیں۔

امریکہ دُنیا کا امیر ترین ملک ہے مگر زر و سیم کی فراوانی اُس کے فرزندوں کو بھی سعادت سے بہرہ ور نہیں کر سکی۔ وہاں فلک بوس عمارات ہیں۔ آواز سے تیز چلنے والے طیارے ہیں۔ سونا اگلتی زمینیں ہیں۔ لیکن اُس کے مفکرین کی آواز پر کان دھریں، وہ کہہ رہے ہیں "نیویارک کی زندگی ایک حسین و جمیل پردہ ہے جس نے اپنے اندر بربادی و بدبختی کو چھپا رکھا ہے۔" "نیویارک کا گراں بار تمدن انسانیت کو کچلتا اور روندتا جا رہا ہے۔" "نیویارک کے باشندے آج جس بحران سے دوچار ہیں۔ وہ جذباتیت کا بحران ہے۔ ہر شخص کام میں لگے ہوئے اور تھکے ماندے امریکی وقت بچانا چاہتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ اُس وقت کو وہ کیسے صرف کریں گے۔"

ان دو خوش حال ملکوں کے آسودہ و عیش کوش باشندوں پر ایک نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کثرتِ مال اور اسبابِ عیش و عشرت کوئی ایسی چیزیں نہیں جنہیں ہم سعادت سے تعبیر کر سکتے ہوں سعادت تو درکنار مال و متاعِ دنیا کی فراوانی حضرتِ انسان کے لئے الٹا وبال اور مصیبت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں نفاق گزیدہ دلوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اُن کے مال و دولت اور ان کی کثرتِ اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے اُن کو دنیا کی زندگی میں مبتلائے عذاب کرے۔

Marfat.com

اور یہ عذاب کیا ہے مشقت، تھکاوٹ، غم و الم اور بیماری۔ اسی مضمون کی یوں تو متعدد احادیث ہیں مگر یہاں ایک نقل کی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ رسولِ پاکؐ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "جس شخص کو آخرت کی فکر دامنگیر رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اس کی پراگندگی دور کر دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے قدموں پہ آ رہتی ہے۔ اور جسے ہر وقت دنیا ہی کی فکر لاحق رہے اُسے غربت ستاتی رہتی ہے۔ اُس کے معاملات پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کی دولت اسے اتنی ہی ملتی ہے جتنی اُس کے لئے مقدر ہو" (ترمذی)

کیا سعادت کا راز اولاد میں مضمر ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ اولاد دنیا کی زینت اور ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اولاد والدین کے دکھ درد میں شریک اور ان کے عروج و اقبال اور نیک نامی کا ذریعہ ہے لیکن یہ اس تصویر کا ایک پہلو ہے۔ اگر اس کے سامنے یہی پہلو روشن ہوتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ اولاد عین سعادت ہے اس کے برعکس انسانی زندگی کے تجربات بتاتے ہیں کہ اولاد ایک قابلِ قدر نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات ایک ناقابلِ برداشت عذاب بھی ثابت ہوتی ہے کتنے ہی والدین ہیں جو اولاد کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں جن کی شقاوت و بدبختی کا سبب اولاد بنتی ہے۔ بڑی محبت سے جس اولاد کی پرورش کرتے ہیں وہی اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اولاد کی نافرمانیوں کے عبرتناک واقعات سے، ان کی آوارگی و خودسری کی تکلیف دہ داستانوں سے اور اُن کی مجرمانہ زندگی کے المناک نتائج سے جس طرح والدین کے سینے چھلنی ہوتے ہیں کیا اس کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ والدین کی سعادت کا راز اولاد میں مضمر ہے شیکسپیئر نے کہا تھا کہ "ناگ کے زہریلے ڈنک سے بھی زیادہ المناک چیز اگر کوئی ہے تو وہ نافرمان بیٹا ہے" اور ایک مشرقی شاعر اولاد کے ہاتھوں نازل ہونیوالے مصائب گنانے کے بعد کہتا ہے ؎

لَقَدْ سَعِدَ الَّذِیْ اَمْسٰی عَقِیْمًا — سعادت مند تو وہ ہے جو بے اولاد ہے۔

کیا حقیقتِ سعادت تجرباتی علم ہے علم نے زندگی کے بہت سے نامعلوم گوشے بے نقاب کئے ہیں۔ انسان کو لاتعداد نعمتوں سے استفادہ کا موقع فراہم کیا ہے اس کے لئے مشکل کو آسان اور بعید کو قریب کر دیا ہے۔ تحقیقی تجربات نے اسے کامیابیوں سے روشناس بھی کیا ہے اور مزید اکتشافات کیلئے

Marfat.com

اِس کی پیاس کو بڑھا بھی دیا ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ معرفت اشیاء حضرت انسان کے لئے عین سعادت ہے تو ایسا نہیں۔ تجرباتی علم نے انسان کو اضطراب دل بخشا ہے۔ اِسے خواہش اور طلب عطا کی ہے اور خواہش اور طلب کو سعادت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کتنے ہی علماء ہیں جنہوں نے تحقیق و تجربہ میں ساری عمریں کھپا دیں مگر نہ انہیں مقصود ملا نہ گوہر سعادت ہی کا کوئی سراغ لگا۔ دم آخریں حسرت و افسوس کرتے ہوئے اِس اعتراف پہ مجبور ہو گئے کہ علم نے اُن کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ نطشے نے یہ کہہ کر اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ "علم پردۂ غیب کو سرکا دیتا ہے لیکن جب ایک پردہ سرکتا ہے تو کئی اور پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے تا آنکہ خود انسان کمزور پڑ جاتا ہے"۔ برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل کہتا ہے "انسان طبیعیات کے میدان میں جب عناصر سے نبرد آزما ہوتا ہے تو علم کے زور پہ غالب آ جاتا ہے لیکن جب خود اپنی ذات سے کشتی لڑتا ہے تو علم اُس کے کچھ بھی کام نہیں آتا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ انسانیت کو فلاح و سعادت سے ہمکنار کرنے والی چیز علم نہیں ایمان ہے"۔ ایک مشہور امریکی ماہر نفسیات کہتا ہے کہ "تنہا علم قطعاً اس قابل نہیں کہ انسان کیلئے اسبابِ سعادت کا اثبات کر سکے"۔ ... "ہم تازہ بتازہ معلومات اور علمی ترقیات سے زندگی کی مشکلات کا شافی حل دریافت نہیں کر سکتے۔ نہ سعادت کے گھاٹ سے سیراب ہو سکتے ہیں کیونکہ علمی ترقی تو اضطراب و تردّد کی ترقی سے عبارت ہے۔

سعادت عین ایمان ہے! سعادت ایک روحانی شے ہے جسے آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا ہے نہ کسی پیمانے سے ناپا جا سکتا ہے۔ نہ اُسے دینار، ردیل، ڈالر یا پونڈ سے خریدنا ہی ممکن ہے۔ اُس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے اور پاکیزگیٔ نفس، اطمینانِ قلب، انشراحِ صدر اور راحتِ ضمیر اس کی علامات ہیں کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا اور اُسے دھمکانے لگا کہ مَیں تجھے شقاوت اور بدبختی سے دوچار کر دوں گا۔ بیوی نے پُرسکون لہجہ میں جواب دیا "آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ نہ مجھے شقی بنانے کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ میری سعادت و خوش بختی پہ قادر ہیں"۔ خاوند غیظ و غضب کے عالم میں بولا "کیسے"؟ بیوی نے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا، "اگر سعادت روپے پیسے میں ہوتی تو وہ آپ روک سکتے تھے زیورات اور ملبوسات میں ہوتی تو آپ ان سے مجھے محروم کر سکتے تھے۔ لیکن وہ تو ایسی چیز میں پنہاں ہے جو آپ کے بس میں نہیں اور ایک آپ ہی کیا تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اُس پر قادر نہیں ہو سکتے"۔ خاوند نے حیرت و استعجاب کے ساتھ پوچھا، "وہ ہے کیا چیز"؟ بیوی نے کہا، "میری سعادت میرے ایمان میں

مضمر ہے اور میرا ایمان میرے دل میں ہے اور میرے دل پہ میرے رب کے سوا کسی کا قبضہ نہیں " یہ ہے ایمان اور سعادت کا باہمی تعلق:- تاہم اِس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں مادّی سروسامان کو بالکل نظر انداز نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کی سعادت کے لئے صالح بیوی اچھا گھر اور عمدہ سواری کافی ہے۔ ایک دُوسرے مقام پہ آپ نے فرمایا" جو شخص اپنے گھر میں امن سے رہتا ہے صحت و عافیت سے بہرہ ور ہے اور اُس کے پاس ایک دن کا سامانِ خوراک موجود ہے گویا اس کے لئے پوری دُنیا سمیٹ دی گئی ہے"

مندرجہ بالا تصریحات اور حضور پاکؐ کے ارشادات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ گوہرِ سعادت انسان کو ایمان کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ ایمان کا ماحول ہی وہ سازگار ماحول ہے جس میں شجرِ سعادت نشو ونما پاتا ہے اور امن وسکینت، محبت، رضا اور امید کے برگ و بار لاتا ہے۔ رہا مادّی سروسامان تو اس کی نہایت قلیل مقدار بھی کافی ہے۔ یہ قلیل مقدار انسان کی سعادت میں نہ کمی کرتی ہے نہ رکاوٹ ڈالتی ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

سعادت مند انسان جن نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اُن میں سے ایک بڑی نعمت اطمینانِ قلب ہے اب ہم اِس بات کا جائزہ لیں گے کہ آیا سکینتِ نفس اور طمانیتِ قلب کسی اور چیز سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یا صرف دامنِ ایمان ہی ایک ایسا دامن ہے جس میں یہ متاعِ بے بہا پائی جاتی ہے۔

اطمینانِ قلب ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اصحابِ علم اور اربابِ فن موجود ہیں قوت وطاقت رکھنے والوں کی کمی نہیں حسن وجمال کے پیکر بھی پائے جاتے ہیں۔ بے حساب خزانوں کے مالک قارون بھی ہیں اور با جبروت شہنشاہوں کے اقتدار کا ڈنکا بھی بج رہا ہے۔ ان سے پوچھئے کیا وہ اطمینانِ قلب کی دولت سے مالا مال ہیں؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔ اور یہ منفی جواب حقیقت کے اثبات کے لئے کافی ہے کہ مذکورہ صفات اور انعامات بجائے خود کتنے ہی قابلِ قدر ہوں، اطمینانِ قلب کا بدل ہرگز نہیں بن سکتے۔

سکونِ قلب کی جنسِ نایاب کا مصدر و منبع صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے ایمان باللہ۔ ایسا ایمان جو صادق اور عمیق ہو جسے شک نے ملگدلا نہ کر دیا ہو، اور نفاق جس میں فساد نہ پیدا کر چکا ہو۔ سکینت ایک عطیۂ ربانی ہے جو اہلِ زمین میں سے صرف مومنین کے دلوں پہ نازل ہوتا ہے:- تاکہ جب لوگ مضطرب ہوں تو وہ خاطر جمع رکھیں، جب لوگ غضبناک ہوں تو وہ صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور جب لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں تو وہ یقین کی دولت سے سرشار رہیں۔ یہی سکینت تھی جس سے ہجرت کے روز رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک معمور تھا۔ جب آپؐ نے اپنے ساتھی کی پریشانی اور گھبراہٹ پہ فرمایا "اے ابوبکرؓ تمہارا اُن دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ ہے" نیز یہ کہ "گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"

اسبابِ سکینت

(۱) مومن فطرت کی آواز پہ لبیک کہتا ہے۔ وہ ہمیشہ فطرت سے ہم آہنگ رہتا ہے وہ جانتا ہے کہ انسانی فطرت دو چیزوں سے عبارت ہے مشتِ خاک اور روحِ پاک۔ وہ ہر معاملہ میں جانب خاک ہی نہیں جھکا رہتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اندھے بہرے مادے کے پاس آلامِ حیات کا کوئی علاج نہیں وہ مادی احتیاجات کی تسکین کے ساتھ روح کے تقاضوں کو بھی بطریق احسن پورا کرتا ہے کیونکہ سکون کی دولت تو اُسے روح کے تقاضوں کو پورے کرنے ہی سے مل سکتی ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "دل میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے جسے رجوع الی اللہ سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ اسے وحشت لاحق ہو جاتی ہے جسے ذاتِ حق سے انس ہی زائل کر سکتا ہے۔ قلب میں حزن و ملال گھر لیتا ہے جس سے معرفتِ ربانی کا سرور ہی نجات دلا سکتا ہے۔ دل قلق اور اضطراب کا شکار ہو تو اُسے ذکرِ الٰہی سے سکون اور قرار نصیب ہوتا ہے اُس میں حسرت کی آگ بھڑک اٹھے تو قضائے الٰہی کا تصور اسے بجھا دیتا ہے" غرض دل کے یہ تمام روگ اُسی وقت دور ہوتے ہیں جب انسان اپنی فطرت کے مادی پہلو کی طرف نہیں بلکہ روحانی پہلو کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس مومن ہر وقت اس لئے پرسکون رہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت سے انحراف نہیں کرتا۔

مومن اپنی حقیقت سے واقف ہوتا ہے

روح کی گہرائیوں میں کچھ سوال ابھرتے ہیں جن کا صحیح جواب ہر شخص سے اُس کی فطرت مانگتی ہے اور وہ سوالات یہ ہیں۔ انسان کیا ہے؟ یہ جہان کیا ہے؟ انہیں کس نے بنایا ہے؟ کیوں بنایا ہے؟ اس وسیع و عریض کائنات کے ساتھ انسان کا کیا تعلق ہے؟ اس کی تدبیر و انتظام کس کے سپرد ہے؟ زندگی اور موت کی حقیقت کیا ہے؟ اس زندگی کے بعد ہمارا کیا حشر ہونے ہونے والا ہے؟ یہ اور اسی قسم کے کئی اور سوالات ہیں جن کا شافی جواب اگر مل جائے تو کوئی چیز انسان کے لئے وجہِ پریشانی نہیں بن سکتی۔ لیکن اگر ان امور کے بارے میں دل و دماغ تذبذب کا شکار ہوں تو پھر کوئی بڑے سے بڑا سہارا بھی سکون و قرار کا موجب نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک ایک مومن قانت کا تعلق ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور زمین پہ اس کا نائب ہے۔ اللہ نے ہی پوری کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور وہی اس کی تدبیرِ امر فرماتا ہے۔ ایک وقتِ معین تک اس نے جملہ موجودات کو انسان کے لئے مسخر

Marfat.com

کر دیا ہے تاکہ ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر اس کی آزمائش کی جا سکے اُس نے انسان کے لیئے دنیا کو دارالعمل بنایا ہے اور موت کے بعد کا عالم دارالجزاء۔ آخرت میں اسے اپنے ایک ایک عمل کی خدا کے سامنے جواب دہی کرنی ہے۔ یہاں جو کچھ وہ بوئے گا وہی آگے چل کر کاٹے گا۔ نیز یہ کہ اس جہان کی ناپائدار زندگی حقیقی زندگی نہیں اس لیئے یہ جس حال میں بھی گذرے صبر و شکر اور اطاعت و استقامت کے جذبے سے گزار دینی چاہیئے اصل زندگی آخرت کی لافانی زندگی ہے جس کے بناؤ اور سنوار پر ہر وقت انسان کی نظریں مرکوز رہنی چاہئیں اور آخرت اُسی کی سُدھرے گی جو دُنیا میں خدا کا بندہ بن کر رہے گا۔ حیاتِ دنیا کی فلاح و کامرانی کا راز بھی بندگیٔ حق میں ہی مضمر ہے۔ غرض دارین کی سعادت اُسی شخص کا حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدائیت کے مطابق زندگی بسر کرے اور دونوں جہان کی بدبختی اُس کا مقدر ہے جو احکامِ الہٰی سے انحراف کرے اسلام کی یہی وہ تعلیمات ہیں جن میں مذکورہ بالا تمام سوالات کا جواب موجود ہے اور روحِ الہٰی کے فراہم کردہ اِس علمِ حقیقت نے مومن کو ہر قسم کی کدو کاوش سے نجات دلادی ہے حقیقتِ ہستی کے اِس شعور کے بعد بندۂ مومن کو کوئی دکھ، تکلیف، کوئی غم و فکر اور کوئی مایوسی و محرومی بے تاب اور بیقرار نہیں کرتی۔

مومن کی راہ اور منزل واضح ہوتی ہے۔ ایمان سے محروم لوگ اس لیئے بھی غیر مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں کہ ان کی منزل متعین نہیں ہوتی اور راہ بھی غیر واضح ہوتی ہے کبھی وہ ایک سمت میں چلنے لگتے ہیں اور کبھی بالکل دُوسری سمت میں۔ کبھی انہیں کسی کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اور کبھی کسی کی۔ اِسی کشمکش میں ان کی عمر گذر جاتی ہے، اور تردُّد اور تامّل کی کیفیت لمحہ بھر کے لئے بھی انہیں سُکھ کا سانس نہیں لینے دیتی۔ اُن کی مثال اُس روایتی بُوڑھے اور اس کے بیٹے کی سی ہے جن کے پاس ایک ہی گدھا تھا پہلے بوڑھا سوار ہو گیا اور بیٹا پیدل چلنے لگا تو قریب سے گزرنے والی چند عورتوں نے باپ کو ملامت کرنا شروع کر دی کہ زندگی کی اتنی بہاریں دیکھنے کے بعد دنیا سے اِس کا جی نہیں بھرا اور نوعمر بیٹے کو پیدل چلنے پر مجبور کر رہا ہے ان باتوں کا یہ اثر ہوا کہ باپ نیچے اُتر آیا اور بیٹا گدھے پر سوار ہو گیا۔ ابھی چند قدم ہی آگے گئے تھے کہ کچھ اور آدمی بیٹے کو کوستے ہوئے کہنے لگے ”دیکھو اس جوان کو شرم نہیں آتی خود سوار ہے اور ضعیف باپ پیدل چل رہا ہے“ آخر باپ بیٹا دونوں سوار ہو گئے تو گدھے کی مظلومیت کا رونا رونے والے آ گئے اور جانور کے حق میں رحم کی اپیل کرنے لگے۔ نتیجۃً دونوں گدھے سے اُتر آئے اور پیدل چلنے لگے ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ بعض دانشور قسم کے راہگیر جانور رکھنے کے باوجود سواری نہ کرنے پر انہیں بے وقوفی کا طعنہ دینے لگے۔ تنگ آکر بیٹے نے فیصلہ کیا کہ ابا جان گدھے کی ٹانگیں باندھ

Marfat.com

کہ اسے سر دں پر اٹھالیں، شاید لوگ راضی ہو جائیں مگر بوڑھے باپ نے جواب دیا بیٹا ایسی صورت میں ایک تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ دوسرے لوگوں کی زبانیں پھر بھی بند نہیں ہوں گی جوان آخر جوان تھا اس نے اصرار جاری رکھا اور باپ کو اس کام پر مجبور کر دیا چنانچہ گدھے کے بہی خیر خواہ لوگوں کو راضی کرنے کی دھن میں اُسے اٹھائے ہوئے ایک ندی کا پل عبور کر رہے تھے کہ نہ معلوم گدھے کے جی میں کیا آئی کہ اُس نے پانی میں چھلانگ لگا دی اور باپ بیٹا دونوں کو لے ڈوبا۔

ٹھیک یہی حالت جادۂ حیات میں صفتِ ایمان سے بے بہرہ لوگوں کی ہوتی ہے وہ ہر ایک کو راضی کرنا چاہتے ہیں مگر کسی کو بھی راضی نہیں کر پاتے۔ انہیں اپنا مفاد اور اپنا عیش و آرام عزیز ہوتا ہے مگر ان چیزوں کو خاطر خواہ نہ پاکر ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن مومن کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے وہ کامل یکسوئی کے ساتھ خدا کے بتائے ہوئے طریقِ زندگی پر گامزن رہتا ہے۔ اسے اس بات کی بالکل پروا نہیں ہوتی کہ کوئی اس کی روش سے ناراض ہوتا ہے یا ناخوش۔ راستے کے نشیب و فراز سے گزرتے وقت وہ نہ تو چمکتے ہوئے سکوں کے ڈھیروں کی طرف دیکھتا ہے نہ حسی خواہشات اُسکے راستے میں حائل ہوتی ہیں اور نہ شدائد و مصائب اور قتل و استہلاک کے دل دوز مناظر اُسے پریشان کرتے ہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا لالچ، خوف یا دباؤ اُسے جادۂ مستقیم سے ہٹاتا ہے اس دوران میں اُس کی توجہ صرف صحتِ سمت اور منزلِ مقصود پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ راہِ راست سے ذرہ برابر ہٹنا نہیں چاہتا اور ربّ العلمین کی رضا کو ہر شے پر مقدم رکھتا ہے کہ یہی اس کی آخری منزل ہے اس منزل کو پالینے کا یقین اُسے ہر مرحلہ میں سکینت و طمانیت سے سرشار رکھتا ہے چاہے وہ مرحلہ تختۂ دار کو چومنے کا مرحلہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی ایک مرحلہ پر حضرت خبیبؓ بن عدی نے فرمایا تھا۔

ولست ابالی حین اُقتل مسلمًا — علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ — یبارک علی اوصال شلو ممزع

" مجھے کچھ پروا نہیں اگر میں بحیثیت ایک مُسلم کے قتل کیا جاؤں۔ کوئی پروا نہیں کہ اللہ کے معاملے میں مجھے کس پہلو مار گرایا جاتا ہے۔ مجھے معبودِ حق (پہ ایمان لانے) کی وجہ سے قتل کیا جا رہا ہے۔ وہ ذات اگر چاہے تو بریدہ اعضاء کو بھی بابرکت بنا سکتی ہے :

مومن موجودات سے مانوس ہوتا ہے

جملہ موجودات کے بارے میں ایک صاحبِ ایمان یہ سمجھتا ہے کہ یہ بھی اس کی طرح اللہ کی مخلوقات ہیں اور اللہ کے احکام کی پابند۔ ان میں سے کوئی چیز بھی بذاتِ خود اسے نہ نقصان پہنچا سکتی ہے نہ نفع۔ بلکہ نفع اور نقصان کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ ان حقائق

Marfat.com

کے ادراک کے بعد مومن کسی چیز سے متوحش نہیں ہوتا کیونکہ وہ مخلوقات کی وسیع برادری میں اپنے آپ کو ایک معزز اور محترم رکن سمجھتا ہے۔ ایسا رکن کہ جس کو دوسری اشیاء پر ایک حد تک تصرف کے اختیارات حاصل ہیں۔ اسی بناء پر زمین، سورج، چاند، سمندر، بیابان، ندی، نالے، ہوائیں، بادل، درخت، پودے، جمادات اور حیوانات غرض کسی چیز کی طرف سے کوئی خوف یا ادنیٰ سی بے اطمینانی بھی اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتی۔

موجودات کے وسیع و عریض کارخانے کو دیکھ کر مومن ایک نہایت خوشگوار اثر یہ قبول کرتا ہے کہ تنگی اور گھٹن سے اُسے نجات مل جاتی ہے۔ کائنات کی وسعتیں اُس کے سینے کو بھی فراخ کر دیتی ہیں وہ ارض و سماء کی پہنائیوں اور بے کرانیوں کو دیکھ کر اپنی بے بسی اور لاچارگی کا خول توڑ پھینکتا ہے اور بلند حوصلہ اور عالی ظرف انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا ہے اور کبھی کسی معاملہ میں بھی تھڑ دلی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ دل کی یہ کشادگی جب ایک مومن میں پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کے بہت سے مسائل اور لاتعداد پریشانیوں کا خاتمہ خود بخود ہو جاتا ہے

مومن کو اللہ تعالیٰ کی معیّت حاصل ہوتی ہے انسان کی بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں کا علاج اُس کے عزیز و اقارب اور دوست احباب کر دیتے ہیں لیکن بعض پریشانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں کوئی بھی اُس کے کام نہیں آسکتا۔ ایسے عالم میں تنہائی کا جو احساس اسے ہوتا ہے۔ ایک مغربی دانشور کے قول کے مطابق وہ ایسا مرض ہے جو عقلی اضطرابات کے بنیادی عوامل میں سے سب سے اہم ہے اِس مرض کا مداوا ڈھونڈنے کی علمائے نفسیات نے بہت کوشش کی ہے لیکن بے شمار تجربات کے بعد انصاف پسند اطباء اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس کا بہترین علاج صرف دین اور ایمان کے پاس ہے۔ ایمان کی آغوش میں پناہ لے کر ہی انسان کو اللہ کی معیّت کا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ نہائیت مشکل اور کٹھن حالات میں بھی اپنے آپ کو تنہا نہیں پاتا قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ (البقرہ: ۱۱۵)	اور مشرق ہو یا مغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں تو جدھر بھی تم رُخ کرو اسی طرف اللہ ہے۔ اللہ بڑی گنجائش رکھنے والا اور علم والا ہے۔
وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ (الحدید ۴)	وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو، جو کام بھی تم کرتے ہو اُسے وہ دیکھ رہا ہے۔"

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے تعاقب سے بنی اسرائیل کو اطمینان دلاتے ہوئے جو حرفِ تسلّی ادا فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ: قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (الشعراء:٦٢) ۔ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا۔

اور جب دامنِ کوہ پہ کھڑے دشمنانِ اسلام کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے تو آپؐ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۔ یہ معیّتِ الٰہی کا یقین ہی تو تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے قالب میں ڈھل گیا تھا۔ پس ثابت ہُوا کہ مومن کہیں بھی ہو اور کیسے ہی حالات میں گھِرا ہوا ہو وہ ہر وقت اِس یقین و ایمان سے سرشار رہتا ہے کہ اُس کا خدا اُس کے ساتھ ہے جو اُس کی مدد پہ قادر ہے اور اسے ہر مشکل اور مصیبت سے بچانے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ معیّتِ الٰہی کا یہ تصوّر جو ہر مومن کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ اس کے سکون و اطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

نماز اور دعا بھی اسبابِ سکینت میں سے ہیں

سکینت کے جن اسباب و ذرائع تک مادہ پرستوں کی رسائی نہیں۔ اُن میں سے ایک نماز اور دعا ہے۔ نماز مومن کا وہ کارگر ہتھیار ہے جس سے آلام و حوادث میں مدد حاصل کرنے کی تلقین خود خدا نے کی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرہ: ۱۵۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشان کن مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے اور اپنے آقائے حقیقی کی جناب میں حلِ مشکل کے لئے عرضِ مدّعا کرتے نماز کا یہی وہ سکون بخش پہلو ہے جس کی طرف آپ نے اِس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان نماز میں رکھ دیا گیا ہے۔ دُعا یا صلوٰۃ کمزور و ناتواں انسان کا تعلق اس ذات سے جوڑتی ہے جو علیم و خبیر اور علیٰ کلِ شیءٍ قدیر ہے۔ جس کا دروازہ ہر وقت کھٹکھٹایا جا سکتا ہے اور جس کے درِ رحمت سے محروم لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف کے اوباشوں کے ہاتھوں انتہائی ناروا سلوک برداشت کر کے بہت مجروح اور لاچار ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ ربّ العزّت میں دستِ دعا اٹھائے۔ اس وقت آپ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے کلمات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے نزدیک دعا کا مقام کیا ہے اور وہ اپنے اندر کتنا وافر سامانِ سکینت رکھتی ہے

اللّٰھم اشکو الیک ضعف قوتی وقلة	اے اللہ میں اپنی قوت اور اپنے وسائل
حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم	کی کمی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی کمزوری اور

Marfat.com

الراحمین انت رب المستضعفین — بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین

وانت ربی ... ... — تو ناتوانوں اور بے کسوں کا پروردگار ہے اور میرا مالک

بھی تو ہی ہے، آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ کیا اس حریف بیگانہ کے جو مجھ سے ترشروئی روا رکھتا ہے یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملے پر قابو رکھتا ہے۔ لیکن اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ میں اس بات کے مقابلے میں کہ تیرا غضب مجھ پر پڑے یا تیرا عذاب مجھ پر نازل ہو تیرے ہی نور وجمال کی پناہ طلب کرتا ہوں جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس کے ذریعے دین ودنیا کے جملہ معاملات سنور جاتے ہیں۔ مجھے تو تیری رضامندی اور خوشنودی، کی طلب ہے۔ بجز تیرے کہیں سے کوئی قوت وطاقت نہیں مل سکتی۔

مومن کی زندگی حسرتناک نہیں ہوتی

اضطراب اور بے چینی کی ایک وجہ ماضی کے واقعات کا غم، حال کی خاک میں ملتی امنگیں اور مستقبل کے خطرات کا احساس ہے۔ بعض لوگ ماضی کے حادثات پر سالوں کفِ افسوس ملتے ہیں۔ آہیں بھرتے اور نالہ وفریاد کرتے ہیں۔ نتیجتہً یادِ ماضی کا عذاب ان کے حال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور ان کی ہر لحظہ گذرنے والی زندگی کو تلخ بنا دیتا ہے۔ پھر بالکل فطری طور پر ان حسرتوں اور تلخیوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے ڈانڈے مستقبل سے جا ملتے ہیں۔ اس طرح اُن کی پوری بساطِ حیات پر مایوسیوں کے گہرے اور تاریک سائے پڑنے لگتے ہیں اور ایک دائمی حسرت وافسوس اُن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

زندگی کی تباہی کا یہ عمل اس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان کی سوچ کا یہ انداز یہ ہو کہ اگر میں یوں کرتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اگر میں تندرست ہوتا تو آج اس انجام سے بچ جاتا۔ ہائے میرا فلاں عزیز نہ مرتا۔ کاش اس وقت مجھے فلاں بات سوجھ جاتی۔ یہ کاش اور اگر اور ہائے دنیائے حسرت کی وہ پرچھائیں ہیں جو ہر مادہ پرست پر ہر وقت پڑتی رہتی ہیں اور اسے ایک اضطراب مسلسل سے دوچار رکھتی ہیں۔

اس کے برعکس مومن اپنی کتاب ماضی کی ورق گردانی اس طرح کبھی نہیں کرتا کہ اسے پچھتاوا لگ جائے نہ مستقبل کے موہوم وساوس وخدشات کو اس کی حوصلہ شکنی کی جرأت ہوتی ہے۔ وہ حال کی رنگینیوں اور سنگینیوں میں سے گزرتے ہوئے اپنی نظر سے اس حقیقت کو کبھی اوجھل نہیں ہونے دیتا کہ

مَآ اَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ — کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا تمہارے

Marfat.com

وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (الحدید: ۲۲ ۲۳)

اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تاکہ جو بھی نقصان تمہیں ہو اُس پہ تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں

اس تعلیم کے بعد بندۂ مومن جس شعار کو اپناتا ہے وہ ہے الحمدُ للہ علٰی کلِّ حال۔ اور درد کی چوٹ پہ جس کلمہ کا سہارا لیتا ہے وہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور آنے والے خطرات کی عمارت مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کی ضربِ محکم سے پیوندِ خاک کر دیتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ نعمتِ ایمان سے بہرہ ور انسان حسرت و افسوس کا کبھی شکار نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ایمان اور رضا

اللہ بزرگ و برتر نے از روئے انصاف خوشی و راحت کو رضا و یقین میں رکھا ہے اور غم و حزن کو غیظ و تشکک میں۔ (حدیثِ پاک)

عالمِ مادی میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح بھوک اور پیاس کو مٹانے کے لئے اکل و شرب کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح روحانی احساسات کی تسکین کے لئے رضا اور ایقان کے حصول کا طریقہ بتایا ہے۔ اپنی ذات، اور اپنے رب سے راضی انسان ہی اپنے ماضی و حال سے مطمئن اور مسرور ہوتا ہے اور اللہ کے عدل و انصاف اور آخرت کی جزا و سزا کا یقین ہی اسے درخشاں مستقبل کا اطمینان دلاتا ہے اور نتیجۃً حقیقی سکون عطا کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان و ایقان سے محروم لوگ کبھی بھی حقیقی شادمانی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کی زندگی تلخ اور تاریک ہوتی ہے۔ وہ مسلسل غم، پیہم مصیبت اور ہمیشہ تنگدلی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اپنے آپ سے بیزار، اپنے ابنائے نوع سے ناراض اور دنیا کی ہر چیز کے خلاف نفرت کے جذبات پال کر وہ اس عالمِ فراخ کو اپنے لئے سوئی کے ناکے کی طرح تنگ اور محدود کر لیتے ہیں۔ جس میں جینا ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بندۂ مومن بھی کبھی غم و حزن کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن اوّل تو اسے غمِ جاں نہیں غمِ جہاں ہوتا ہے۔ غمِ دنیا نہیں غمِ آخرت ہوتا ہے اور کبھی غمِ جاں اسے دامنگیر بھی ہو تو اس کا اثر بالکل عارضی ہوتا ہے۔ اس لکۂ ابر کی مانند جو وسعتِ افلاک میں نمودار ہو اور ایمان کی بادِ تند و تیز اسے اڑا لے جائے۔

حقیقتِ رضا کا شعور ان اسباب میں سے ایک ہے جو انسان کو ابدی سعادت سے ہمکنار کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

من سعادۃ المرء استخارۃ ربہ ورضاہ بما قضی، ومن شقاء المرء ترکہ الاستخارۃ وعدم رضاہ بعد القضا۔	اپنے رب سے استخارہ (طلب خیر) کرنے اور اس کے فیصلہ پر راضی ہو جانے والا انسان بڑا سعادت مند ہے اور بڑا بدبخت ہے وہ شخص جو خدا سے نہ بھلائی طلب کرے اور نہ اسکے فیصلہ پر راضی ہو

(مسند احمد، ترمذی، بخاری)

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ مومن ہر کام میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا طلب گار ہوتا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے

اللّٰھم ان کنت تعلم ان ھذا	اے اللہ اگر تو اس کام کو میرے دین و دنیا کے لیے
الامر خیر لی فی دینی ومعاشی و	اور انجام کار کے طور پر میرے لیے بہتر سمجھتا ہے
عاقبة امری فیسرہ لی وبارک	تو اسے مجھ پر آسان کر دے اور اس میں مجھے برکت
لی فیہ، وان کنت تعلم ان	دے اور اگر تو اس کام کو بلحاظ دین و دنیا اور بلحاظ انجام
ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی	میرے لئے برا خیال فرماتا ہے تو اسے میری نظروں سے
وعاقبة امری فاصرفہ عنی و	ہٹا دے اور مجھے اس کام سے باز رکھ اور میرے لیے
اصرفنی عنہ واقدر لی الخیر	خیر کو مقدر فرما جہاں بھی ہو اور اس خیر مقدر کے
حیث کان ثم ارضنی بہ۔	ساتھ مجھے راضی کر دے۔

چنانچہ مومن اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر — خواہ وہ اچھی ہو یا بری — ہر حال میں راضی رہتا ہے۔ اور صبر و رضا کی یہ صفت اُس کے دل کو کشادہ اور سینے کو فراخ کر دیتی ہے۔ وہ نہ کبھی مغموم ہوتا ہے نہ تنگدل نہ اُسے اپنے آپ پر غصہ آتا ہے۔ نہ اس کائنات پر نہ زندگی سے بہرہ ور مخلوقات پر اس کے برعکس وہ اپنی ذات، اپنے گرد و پیش اور جملہ موجودات سے راضی اور خوش رہتا ہے کیوں کہ مسرت و رضا کا سرچشمہ اُس کے ہاتھ لگ چکا ہوتا ہے اور وہ ہے اللہ رب العلمین پر غیر متزلزل ایمان۔

رضا ایک بہت بڑی روحانی نعمت ہے جس سے اللہ کے منکر یا اُس کی ہستی اور اس کی جزا میں شک کرنے والے محروم ہیں اس نعمت کو وہی حاصل کر سکتا ہے جس کا اللہ پر ایمان مضبوط ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ پاک کو صبر و استقامت کے ساتھ اپنی حمد و ثنا اور بندگی و عبادت کرتے رہنے کی تلقین کی اور فرمایا لَعَلَّکَ تَرْضٰی (یعنی اس عملِ ایمانی کے نتیجے میں) ہو سکتا ہے کہ آپ نعمتِ رضا کو پالیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ	جو شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے
ربا وبالاسلام دینا وبمحمد	دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول
رسولا۔ (رواہ احمد ومسلم والترمذی)	ہونے پر راضی ہو گیا اس نے حلاوتِ ایمان کو چکھ لیا

قرآنِ پاک میں صحابۂ کرام کی سبقتِ ایمانی اور صداقتِ ایمانی کی شہادت دینے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا عظیم اعزاز عطا فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مقامِ رضا پر فائز

Marfat.com

ہونے کے لئے دولتِ ایمان ناگزیر ہے۔

۱۔ مومن اپنی ذات اور اپنے رب سے راضی ہوتا ہے اپنی ذات سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے وجود اور شخصیت اور کائنات میں اپنے مرتبہ و مقام سے راضی ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ کوئی مہمل ہستی یا ناقص و حقیر چیز نہیں بلکہ خالقِ کائنات کی صفتِ صنعت گری کا شاہکار ہونے کی وجہ سے ایسی باشرف مخلوق ہے جو زمین پہ خدا کی خلافت کے منصبِ جلیل پہ فائز ہے۔

علاوہ ازیں مومن اپنے رب سے بھی راضی ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس کی صفاتِ کمال و جمال پہ ایمان کامل اور اس کے عدل اور رحم کا یقینِ محکم رکھتا ہے اور اس کے علم و حکمت کی طرف سے بھی پوری طرح مطمئن ہوتا ہے۔ نیز وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کا بے پایاں فضل اور اُس کے بے شمار احسانات اُس پہ ہیں بقول سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام:-

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ (الشعرا: ۷۸: ۸۲)	میرا رب وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے جو مجھے موت دیگا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطا معاف فرمادیگا۔

غرض مومن اپنے حق میں اللہ کی تدبیر کو اپنی تدبیر سے بہت بہتر قرار دیتا ہے۔ وہ اس کے ہر کام کو سراسر رحمت اور سراپا خیر سمجھتا ہے اور اگر اُسے خدا کی خدائی میں کہیں کوئی کجی نظر آئے تو اسے بھی وہ کجی پہ محمول نہیں کرتا بلکہ تکمیلِ خیر کا سامان یا اثباتِ خیر کے لئے شرطِ لازم گردانتا ہے۔ مصیبت و تکلیف بلاشبہ شر ہے لیکن اس کے بغیر صبر کا دامنِ خیر بھی تو ہاتھ نہیں آتا اسی طرح اگر فقر و افلاس میں ایک صورتِ شر موجود ہے تو انفاق فی سبیل اللہ اور سخاوت و کرم جیسی خیرات و حسنات کے امتیازات بھی اسی کے وجود سے نمایاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اپنی ذات اور اپنے رب کی صفات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک بندۂ مومن کو ناراض کرنیوالی ہو۔

۲۔ مومن حیات و کائنات سے بھی راضی ہوتا ہے مومن یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ عالمِ موجودات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اس کا ذرہ ذرہ اللہ کی بے مثال حکمت و دانائی پہ دلالت کرتا ہے۔ اُس کے ہمہ گیر رحم و کرم کا

Marfat.com

مظہر ہے اور اُس کے لامحدُود علم و قدرت کا شاہکار ہے۔ اُسے اِس عظیم کائنات کی تدبیر و انتظام میں کہیں کوئی خرابی اور خلل نظر نہیں آتا۔ وہ انسانوں اور دوسری مخلوقات کو دیکھتا ہے تو اُن کے رزق کی تقسیم، اُن کا غم و انبساط اُن کی عاجزی و درماندگی اور اُن کی قدرت و توانائی۔ کسی چیز میں بھی اُسے کہیں عدل سے انحراف اور ظلم کا شائبہ تک محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ حق اور سراسر حق ہی مشاہدے میں آتا ہے ظاہر ہے کہ حیات و موجودات کے اِس پُر حکمت، متوازن اور مبنی بر عدل نظام سے ایک ایماندار کو راضی ہونا ہی چاہیئے۔

۳۔ مومن انعاماتِ خداوندی کا گہرا احساس رکھتا ہے | اپنے آپ سے بیزار رہنے اور زندگی کا گلہ شکوہ کرنے والے لوگ بالعموم وہ ہوتے ہیں جو موجودہ انعاماتِ الٰہی کا احساس نہیں رکھتے۔ وہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فلاں شئے نہیں ہمیں وہ اور وہ چیز چاہیئے لیکن انہیں اظہارِ شکر کرتے کبھی نہیں سُنا گیا کہ یہ اور یہ نعمتیں ہمیں حاصل ہیں اِس کے برعکس مومن اللہ کے عظیم احسانات کے احساس سے ہر وقت سرشار رہتا ہے۔ وہ اِس بات کا گہرا شعور رکھتا ہے کہ اللہ نے اسے نسلِ انسانی کے ایک فرد کی حیثیت سے تخلیق کیا۔ علم و ادراک اور غور و فکر کی صلاحیتیں عطا کیں، نطق و بیان اور سماعت و بصارت سے نوازا۔ اسے دست و پا دیئے اور اُن میں فعل و عمل کی قوت و استعداد پیدا کی۔ اِس کے پہلو میں دل پیوست کیا اور اُسے اخوت و محبت، رحم و شفقت اور ایثار و قربانی کے جذبات سے معمور کیا۔ اِس کے تن و شکم کی ضروریات کے لیئے زمین نے رزق کے خزانے اگلے اور آسمان سے وحی الٰہی کے ذریعے اِس کی فطری امنگوں اور روحانی تقاضوں کو پورا کیا گیا۔ وہ جب غور کرتا ہے تو اپنی ذات میں بے شمار انعامات موجود پاتا ہے۔ حتیٰ کہ انفس و آفاق اُسے جلی و خفی نعمتوں سے مملو نظر آتے ہیں جن سے وہ براہِ راست یا بالواسطہ استمتاع کر رہا ہوتا ہے۔ "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو انعامِ الٰہی کا سب سے زیادہ شعور رکھتے تھے، اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے رہتے اور جذباتِ تشکر و سپاس کا اظہار کرتے نہ تھکتے تھے۔ مقصود یہ تعلیم دینا تھا کہ بندوں پر رحمت حق کی فراوانی صرف اِس بات کا ہی تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اُس کا کبھی شکوہ نہ کریں اور ہمیشہ راضی رہیں بلکہ اِس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ وہ رب العزت کی تحمید و توصیف میں ہر آن رطبُ اللسان رہیں۔

۴۔ مومن اللہ کی تقدیر پر راضی ہوتا ہے | مومن جو اپنے آپ کو ہر وقت انعاماتِ الٰہی کے بوجھ تلے دبا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اللہ کی مشیئت اور تقدیر ـــــ خواہ اچھی ہو یا بُری۔ پر بھی راضی رہتا ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اِس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام عبث، لایعنی اور خلافِ حکمت نہیں

Marfat.com

ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ اپنے بندوں کو مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا ایک مومن صادق کی نظر میں رب العزت اپنے بندوں کیلئے والدین سے بھی زیادہ رحیم وشفیق ہوتا ہے۔ اُس کی رحمت اُس کے قہر وغضب اُس کے مواخذہ واحتساب بلکہ ہر چیز پر حادی ہے پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ ظلم کا ارادہ کرے؟ اُس کا کوئی فیصلہ بظاہر ظلم بھی نظر آئے تو مومن اسے بھی خیر اور رحمت ہی پر محمول کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَعَسٰٓی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○ (النساء: ۱۹)

تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اُسی میں (تمہارے لئے) خیرِ کثیر رکھ دی ہو۔

اہلِ ایمان کا یہی وہ عقیدۂ رضا بالقضاء ہے جس کے خوشگوار اثرات کو مسلم معاشرہ میں رہنے والے بہت سے اہلِ مغرب نے بھی محسوس کیا ہے انہی میں سے ایک مغربی اہلِ قلم "ف۔س۔ بوڈلے" "میں نے اللہ کی جنت میں زندگی بسر کی" کے زیرِ عنوان لکھتا ہے۔

"۱۹۱۸ء میں میں اپنے ماحول کو چھوڑ کر شمال مغربی افریقہ چلا گیا۔ وہاں میں نے بدوؤں کے درمیان صحرا میں سات برس گزارے میں ان کی زبان سیکھتا اُن جیسا لباس زیب تن کرتا، اُن کے سے کھانا پیتا اور اُن کے سے ہی معمولاتِ زندگی اختیار کرتا تھا۔ اِس عرصے میں میں نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام الرسول ہے۔ وہ سال جو میں نے اُن خانہ بدوش عربوں میں بسر کئے میری زندگی کے بہترین سال تھے اور امن وسکون اور لذتِ حیات سے بھرپور بھی۔

میں نے اُن صحرانشینوں میں رہ کر محسوس کیا کہ یہ لوگ انتہائی قلق واضطراب میں بھی پرسکون رہتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اِس بات کا مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ مقدر رہے ہو کر رہے گا اُسے کوئی نہیں روک سکتا اور کسی شخص کو وہی دکھ پہنچتا ہے جو اس کے لئے لکھ دیا گیا ہے لیکن اِس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ نزولِ بلا کے وقت ایک دوسرے پر تکیہ کرکے بیٹھ رہتے ہیں اور ہاتھ پاؤں باندھ کر مصیبت پہ مصیبت سہتے چلے جاتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں ایک واقعہ سُنیے۔

ایک دن جھلسا دینے والی تیز ہوا چلی۔ وہ اتنی شدید تھی کہ صحرا کی بےشمار ریت اٹھائے

Marfat.com

ہوئے بحرِ ابیض متوسط عبور کر گئی اور اسے فرانس کی وادی الروَن میں جا پھینکا۔ سخت گرمی کی وجہ سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر کے بال جڑوں سے اکھاڑے جا رہے ہوں غرضیکہ یہ مصیبت میرے لئے اتنی ناقابلِ برداشت تھی کہ میں پاگل ہوا جا رہا تھا لیکن عربوں کی زبان پہ ایک حرفِ شکایت تک نہ آیا۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ تھا "قضاء مکتوب" یعنی طے شدہ فیصلہ۔ وہ ایسے مواقع پر زیادہ سرگرمی سے کام کرتے۔ چنانچہ انہوں نے مُہلک لُو چلنے سے پہلے ہی اپنی بھیڑ بکریوں کے بچے ذبح کر دیئے۔ پھر ڈھور ڈنگر لے کر جنوب کی طرف پانی کے کنارے چلے گئے۔ اور کوہر کام یہ انتہائی تکلیف دہ کام انہوں نے کمال صبر و سکون اور خاموشی کے ساتھ انجام دیا۔ اُن کے قبیلے کے سردار نے کہا تو یہ کہ "ہمارا کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ ہم تو سب کچھ کھو کر بھی صبر کرنے کے عادی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب کے ہمارے مویشی تقریباً چالیس فی صد زندہ بچ رہے ہیں۔ انہی سے ہم نئے سرے سے کام کا آغاز کر سکتے ہیں"۔

۵۔ مومن اللہ کے عطا کردہ رزق پہ راضی ہوتا ہے۔ | مومن اللہ کی تقسیم رزق اور اُس کے مواہب و عطایا پہ — خواہ قلیل ہوں یا کثیر — راضی رہتا ہے۔ اس لیئے کہ اوّلاً وہ اپنے پاس موجود ہر نعمت کو سراسر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل تصوّر کرتا ہے۔ ثانیاً اللہ تعالیٰ کو عادل اور حکیم سمجھتا ہے۔ ان بنیادی حقائق کو ذہن نشین کرنے کے بعد اُسے مال و دولتِ دنیا کے بارے میں اللہ سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی۔ وہ رزقِ حلال کے لیئے پوری کوشش کرتا ہے اور اس کوشش کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو اُس پہ قانع ہو جاتا ہے اور اپنے سے زیادہ آسودہ و خوشحال لوگوں کی حالت پہ جلتا نہیں بلکہ اپنے نتائج محنت کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ یہی مفہوم ہے قناعت کا لیکن بعض لوگوں نے تو لفظ قناعت پہ ظلم ہی کر دیا ہے۔ اُن کے خیال میں آدمی کمزوری و دوں ہمتی کی زندگی بسر کرے، ترقی و سربلندی کی خواہش کو یکسر پامال کر کے رکھ دے اور بھوک، افلاس اور محرومی ہی کو پسند کرنے لگے تو پھر وہ رضا و قناعت کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔ حالانکہ نہ رضا کا یہ مفہوم ہے اور نہ قناعت ہی کی یہ صحیح تعبیر ہے۔

اس سلسلہ میں دو باتوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے ——— یہ حقیقت ہے کہ انسان کے دل میں محبتِ دنیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور وہ مال و دولت کی شدید حرص رکھتا ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے

لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لابتغی ثالثًا، ولا یملأ	اگر ابن آدم کو سونے سے معمور دو وادیاں بھی مل جائیں تو (اس کی حرص ختم نہیں ہوگی) بلکہ وہ ایسی ہی کسی

Marfat.com

عین ابن آدم الا التراب۔ — تیسری وادی کی تلاش میں رہے گا۔ اُس کی آنکھ کو تو (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

اِنسان کی اِس انتہا پسند فطرت کو معتدل اور متوازن بنانے کی ضرورت تھی چنانچہ تعلیماتِ اسلام نے اس فرض کو بحسن و خوبی انجام دیا اور ہوس کی آگ کو بہت کچھ ٹھنڈا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا ایہا الناس اتقوا اللہ واجملوا فی الطلب فان نفساً لن تموت حتی تستوفی رزق، وان ابطأ عنہا، فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب خذوا ما حل ودعوا ما حرم۔

(ابنِ ماجہ)

اے لوگو اللہ سے ڈرو اور مال و دولتِ دنیا کی تحصیل میں حسنِ طلب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو (تمہیں معلوم ہونا چاہیئے) کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ اپنے حصّہ کا رزق پورا پورا حاصل نہ کرلے۔ اگرچہ مقدر شدہ رزق کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہو تو اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کرو اور حسنِ طلب سے کام لو جو کچھ حلال ملے اسے لے لو اور حرام سامنے آئے تو اسے چھوڑ دو۔

ایک اور مقام پہ فرمایا۔

لیس الغنیٰ عن کثرۃ العرض انما الغنیٰ غنی النفس (متفق علیہ)

غنا مال و اسباب کی زیادتی کا نام نہیں بلکہ یہ دل کی تونگری کا نام ہے۔

پس قناعت جو مطلوب اور محمود ہے یہ ہے کہ آدمی رزقِ حلال کے لئے سعی کرے اور جو کچھ پاکیزہ و طیّب ملے اسے صبر و شکر سے قبول کرے۔ البتہ حرام سے پرہیز کرے چاہے وہ کتنا ہی ارزاں اور فراواں کیوں نہ ہو۔ اِس کے ساتھ ساتھ مؤخر الذکر ارشادِ رسولؐ اور بہت سی دیگر نصوصِ قرآن و سنت ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ خوب سے خوب تر اور زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کا رُخ دنیا کی ناپائیدار چیزوں سے ہٹا کر عقبیٰ کی لازوال نعمتوں کی طرف پھیرنا چاہیئے۔ نفس کی بُری اور ناپسندیدہ عادات کو تقویت دینے کے بجائے بندۂ مومن کے لیئے ضروری ہے کہ ایثار و قربانی اور بذل و انفاق جیسی ارفع و اعلیٰ صفات کو اپنے اندر پیدا کرے۔ قناعت کا یہ پہلا مفہوم ہے۔

دوسری بات جسے قناعت کے ضمن میں سمجھنے کی ضرورت ہے یہ ہے کہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بعض لوگوں کو تو بغیر کسی کوشش کے مل جاتی ہیں مگر بعض دوسرے حضرات کو نہیں ملتیں اور وہ

Marfat.com

کوشش بھی کریں تو نہیں مل سکتیں۔ مثلاً خوبصورت اور نوجوان ہونا۔ بلند قامت اور صحت مند ہونا، بے غم ہونا یا کثیر الاولاد ہونا۔ اب اگر کوئی بدصورت یہ کوشش کرے کہ وہ حسن و جمال کا پیکر بن جائے تو یہ ناممکن ہے۔ کوئی پیر فرتوت عہد شباب کو لوٹانا چاہے تو ظاہر بات ہے اسے ناکامی ہو گی کسی کوتاہ قد کا یہ ارمان کہ وہ بلند قامت ہو جائے۔ کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پے در پے غموں اور صدموں سے نڈھال انسان ہشاش بشاش رہنا چاہے، یا کوئی ثمر زندگی سے محروم، عمر کے آخری حصے میں فرزند ارجمند کا منہ دیکھنا چاہے تو شاید ان حضرات کی آرزوئیں بھی پوری نہیں ہو سکیں۔ ایسے لوگوں کو ایمان باللہ بتاتا ہے کہ غنا و سعادت اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی اپنی جملہ خواہشات کی تکمیل میں کامیاب رہے بلکہ غنا و سعادت کا راز خدا کی تقسیم اور تقدیر پر راضی رہنے میں مضمر ہے۔ ارشاد رسول ہے۔

اِرْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ۔	جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں لکھا ہے اُس پہ راضی ہو جا تو تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے گا۔
مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی	قلیل اور کفایت کرنے والی نعمتیں بہت بہتر ہیں کثیر مگر غافل کر دینے والے انعامات سے۔

دین کی ان تعلیمات کی بدولت محروم لوگ اپنی تلخ اور ناگوار زندگی کو بھی گوارا بنا لیتے ہیں اور پھر اُن کا نفس کبھی ناممکنات اور محالات کی طلب کے درپے نہیں رہتا۔ یہ قناعت کا دوسرا مفہوم ہے۔

اِنَّ الْغَنِیَّ ھُوَ الْغَنِیُّ بِنَفْسِہٖ ولوانہ عاری المناکب حاف
مَا کُلُّ مَا فَوْقَ الْبَسِیْطَۃِ کَافِیًا واذا قنعت فبعض شیئٍ کاف

(ترجمہ) غنی وہی ہے جو دل کا غنی ہو اگرچہ اس کا دوش بے لباس اور پا برہنہ ہوں۔ روئے زمین پہ جو کچھ بھی ہے۔ اگر سارے کا سارا تجھے مل جائے تو کافی نہ ہو لیکن اگر تو قانع ہو جائے تو معمولی چیز بھی تجھے کفایت کر سکتی ہے۔

ایک نوجوان کا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیرہ افراد پر مشتمل ایک یمنی وفد آیا۔ آپ اس کی آمد سے بہت خوش ہوئے اور وفد کے ارکان کی خوب عزت و تکریم کی۔ دوران قیام انہوں نے مختلف امور کے متعلق استفسار کیا اور علم دین حاصل کرتے رہے۔ یہ لوگ آپ کے پاس زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے اُن کی خواہش تھی کہ جلد از جلد واپس جائیں اور اپنے اہل وطن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ چند دن ٹھہرنے کے بعد وہ رخصت ہوتے وقت آپ کے پاس آئے

Marfat.com

تو آپ نے حضرت بلالؓ کو بھیجا تاکہ انہیں عام وفود سے بہتر ہدایا و تحائف پیش کریں۔ جب وہ تحائف وصول کر چکے تو آپؐ نے فرمایا "تمہارا کوئی ساتھی محروم تو نہیں رہا؟" انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا ہے جسے ہم اپنے سامان کے پاس پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "اُسے بھی ہمارے پاس بھیج دینا" واپس جا کر انہوں نے لڑکے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور اپنی کوئی حاجت ہے تو پوری کرا لو۔ لڑکا آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ میں بنی ابذی کا فرد ہوں اور اس وفد کے ساتھ یہاں آیا تھا جو ابھی آپؐ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ آپؐ نے ان کی حاجات تو پوری کر دی ہیں ایک میری حاجت بھی پوری کر دیجئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "تیری حاجت کیا ہے؟" لڑکا بولا "میری حاجت میرے ساتھیوں جیسی نہیں۔ وہ لوگ آئے تو اسلام کے لیئے تھے لیکن دنیا کا مال و متاع لیکر گئے ہیں۔ میں واللہ صرف اس لئے آیا تھا کہ آپؐ میرے حق میں اللہ سے یہ دُعا کریں کہ وہ میری مغفرت فرمائے۔ مجھ پہ رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔ آپؐ نے اُسی وقت لڑکے کی طرف رُخ پھیرا اور دست دعا اٹھا دیئے "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلْ غِنَاہٗ فِیْ قَلْبِہٖ" پھر اُس لڑکے کو بھی ویسے ہی تحائف عطا کرنے کا حکم دیا جیسے اُس کے ساتھیوں کو دیئے جا چکے تھے اور اس کے بعد یہ حضرات خوشی خوشی یمن روانہ ہو گئے۔

اس واقعہ کو کافی عرصہ بیت گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پہ پھر یہی لوگ منٰی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملے اور اپنا تعارف کرایا۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا اُس لڑکے کا کیا حال ہے جو تمہارے ساتھ آیا تھا۔ کہنے لگے یا رسولؐ اللہ اُس جیسا آدمی ہم نے کوئی نہیں دیکھا نہ اُس سے زیادہ قناعت کرنے والا کوئی شخص ہمارے علم میں ہے۔ اگر لوگ ساری دنیا کا مال و دولت بھی آپس میں بانٹ رہے ہوں تو وہ اُن کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا۔ اِس پہ آپؐ نے فرمایا : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّمُوْتَ جَمِیْعًا "مجھے پوری امید ہے کہ اُس کی موت بھی عالم یکسوئی میں واقع ہوگی" اُن میں سے ایک صاحب نے پوچھا۔ "اے اللہ کے رسولؐ کیا ہر شخص یکسوئی کی حالت میں نہیں مرتا؟" آپؐ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا بعض لوگ پراگندگیٔ فکر کے ساتھ مرتے ہیں۔ وہ بستر مرگ پہ پڑے ہوتے ہیں لیکن ان کی خواہشات، اُن کے افکار، اُن کے پروگرام اور منصوبے انہیں نہ معلوم کہاں کہاں لئے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگ جو عالم نزع میں بھی یکسو نہیں ہوتے۔ اللہ کو اُن کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ کس چیز کے غم میں اور کس حالت میں مر رہے ہیں۔"

یہ سُن کر انہوں نے کہا مگر وہ نوجوان تو ہم میں بہترین زندگی بسر کر رہا ہے دنیا کی محبت اُس کے دل میں

Marfat.com

مطلق نہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر پوری طرح قانع ہے۔"

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ارتداد کا جو طوفان اٹھا اُس کی رو میں بہت سے اہلِ یمن بھی بہ گئے اِس موقع پر یہی نوجوان اپنی قوم کو خدا یاد دلاتا رہا اور انہیں اسلام کی حقانیت اور قدر و قیمت بتاتا رہا نتیجۃً اِس کی قوم کا کوئی فرد مرتد نہ ہوا ——— اس نوجوان کے قصے سے ہمیں کئی سبق ملتے ہیں۔

پہلا سبق تو یہ ہے کہ آدمی کو اس کے حصہ کا رزق مل کے رہتا ہے۔ اہلِ وفد اسے پیچھے چھوڑ گئے تھے لیکن آپؐ نے استفسار کر کے اسے بلوایا اور تحائف دیئے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ دولتِ اسلام کے لئے فکر مند شخص دولتِ دنیا سے محروم نہیں رہتا۔ تیسرا سبق یہ ہے کہ اللہ سے رحم و مغفرت اور غنائے نفس کا طلبگار بارگاہِ خدا اور رسولؐ میں ایک مقامِ خاص کا حقدار بن جاتا ہے جو دوسرے لوگوں کو نصیب نہیں ہوتا۔ دیکھیئے کئی سالوں کے بعد جب اہلِ وفد سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپؐ نے بطورِ خاص اس لڑکے کے حالات دریافت فرمائے ایک اور سبق جو سب سے اہم ہے یہ ہے کہ قناعت شعار آدمی کو زندگی میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اور موت کے وقت بھی اُس کی توجہ صرف ایک ہی ذات پر مرتکز رہتی ہے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

۴۔ قناعت در ضائر سرچشمۂ قوت ہے

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ غربت و قناعت کی وجہ سے اِنسان میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معاشرہ میں اپنا مرتبہ و مقام کھو بیٹھتا ہے۔ ہماری رائے میں یہ خیال قلتِ فکر کا نتیجہ ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ عقلی خودداری اور عزتِ نفس اور اپنے موقف پر ڈٹ جانے کی طاقت قناعت شعار لوگوں میں پائی جاتی ہے اتنی مزاحمت کسی بڑے سے بڑے دولت مند اور با اثر آدمی میں بھی موجود نہیں ہوتی تاریخ کے صفحات بھی اسی حقیقت پر شاہد ہیں کہ ظلم و جور کا مقابلہ کرنے والے، اپنے حقوق کے لئے لڑنے والے اور باجبروت حکمرانوں سے حق و صداقت کی بنیاد پر ٹکرا جانے والے لوگ بالعموم وہی ہوتے ہیں جنہیں دنیا کمزور اور بے وسیلہ سمجھتی ہے مگر جو تقدیر پر شاکر اور مصیبت و ابتلا پر راضی رہنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک قناعت شعار شخص امیروں کے محلات، بادشاہوں کے خزانوں اور عیش و عشرت میں پلنے والے لوگوں کے ساز و سامان کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے جس طرح کہ بلند فضا میں اڑنے والا پرندہ بستی کی طرف دیکھتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ رفیع الشان محلات ریت کے

Marfat.com

گھومتے ہیں، انسان محض چیونٹیاں ہیں جو زمین پر رینگ رہی ہیں۔

سیدنا مسیح علیہ السلام کا فرمان ہے، "اون میرا لباس ہے۔ نانِ جویں میرا طعام ہے اور چاند میرا چراغ ہے میرے پاؤں میری سواری ہیں اور میرا بازو میرا تکیہ ہے۔ میں رات بسر کرتا ہوں تو میرے پاس (ان چیزوں کے سوا) کچھ نہیں ہوتا۔ اور دن گزارتا ہوں تو اسی حال میں۔ بایں ہمہ روئے زمین پہ مجھ سے زیادہ غنی اور بے نیاز کوئی نہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" کے باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ صبر و قناعت کی زندگی بسر کرنے والا ایک بوڑھا راہ چلتے چلتے کوئی کھجور کی گٹھلی نظر آتی تو اسے اٹھا لیتا کہ یہی اس کا رات کا کھانا ہوتا تھا۔ ایک دن اس بوڑھے کو ایک نوجوان ملا جس کے پاس ایک آلۂ موسیقی تھا۔ اس پہ ہارون الرشید کی لونڈی گایا کرتی تھی۔ بوڑھے نے اس آلہ کو توڑ دیا ہارون کو خبر پہنچی تو غضبناک ہو گیا اور بوڑھے کو بلا بھیجا۔ جب وہ ہارون کے پاس پہنچا تو اس نے کہا "بڑے میاں آپ کو یہ کام کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا"۔ بوڑھے نے پوچھا کون سا کام؟ اب ہارون یہ تو نہ کہہ سکتا تھا کہ تو نے مغنیہ کا آلۂ موسیقی توڑ دیا ہے۔ وہ بار بار اپنا ہی سوال دہراتا چلا گیا۔ بوڑھا خلیفہ کی کمزوری سمجھ گیا اور کہنے لگا "جناب آپ کے باپ دادا منبرِ رسولؐ پہ خطبہ جمعہ کے دوران یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	اللہ عدل اور احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے
وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ	اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع
وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ۝ (النحل: ۹۰)	کرتا ہے۔

سو حضور والا میں نے ایک برائی دیکھی اسے مٹا دیا۔ اب آپ کو اعتراض کس چیز پہ ہے؟" ہارون کو بھی کہنا پڑا کہ اسے تو مٹا ہی دینا چاہیئے تھا۔ واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد بوڑھا اٹھا اور نکل گیا۔ ہارون نے اس کے پیچھے ایک آدمی کو دس ہزار درہم کی ایک تھیلی دے کر بھیجا کہ اگر بوڑھا لوگوں سے اس بات کا ذکر نہ کرے تو اسے تھیلی دے دینا۔ بصورتِ دیگر واپس لے آنا۔ چنانچہ وہ آدمی بوڑھے کے تعاقب میں نکلا تو اسے دیکھا کہ زمین میں دھنسی ہوئی ایک گٹھلی کو نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اسے تھیلی کی پیشکش کی اور کہا "کہ امیر المومنین کی طرف سے اسے قبول فرمائیں۔ بوڑھے نے جواب دیا، "خلیفہ سے کہو یہ رقم جہاں سے لی ہے وہیں لوٹا دے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔ اور دوبارہ گٹھلی کے ساتھ مشغول ہو گیا اور یہ اشعار گنگنانے لگا:۔

Marfat.com

[1]

أَرَى الدُّنْيَا لِمَنْ هِيَ فِي يَدَيْهِ ۔۔۔ هُمُومًا كُلَّمَا كَثُرَتْ لَدَيْهِ

تُهِينُ الْمُكْرِمِينَ لَهَا بِصُغْرٍ ۔۔۔ وَتُكْرِمُ كُلَّ مَنْ هَانَتْ عَلَيْهِ

إِذَا اسْتَغْنَيْتَ عَنْ شَيْءٍ فَدَعْهُ ۔۔۔ وَخُذْ مَا أَنْتَ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ

معلوم ہوا کہ قناعت شعار لوگ ہی دراصل طاقتور ہوتے ہیں حق گوئی اور بے باکی سے کام لیتے ہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دے سکتے ہیں۔ ان کی عزت نفس اور خود داری انہیں اُمراء و ملوک سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے عامۃ الناس بھی انہیں سر آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ جو رضا و قناعت کے پیکر ہوتے ہیں کبھی کفر و باطل پہ سکوت اختیار نہیں کرتے۔ ان میں اتنی جرأت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے جابر سلاطین کے سامنے بھی کلمۂ حق کہہ سکیں۔

---

[1] میں دیکھ رہا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں بہت زیادہ مال و دولت دنیا ہو اُسے بکثرت غم و افکار لاحق رہتے ہیں اور جو لوگ دُنیا کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں دنیا انہیں ذلیل کرتی ہے اور جو اسے ہیچ سمجھتے ہیں یہ انہیں معزز ٹھہراتی ہے۔ جب تجھے ایک چیز کی ضرورت نہیں تو اُسے حاصل کرنے کی فکر چھوڑ۔ ہاں جس چیز کی تجھے حاجت ہے اسے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

Marfat.com

ایمان اور طمانیتِ قلب

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں :

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام : ۸۲)

"اہل ایمان جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انہی کے لئے حقیقی امن ہے اور وُہی راہِ راست پر ہیں"

امن کی یہ بشارت حیاتِ دُنیا کے لئے بھی ہے اور موت کے بعد کی ابدی اور لازوال زندگی کے لئے بھی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے مومن کو نہ تو امورِ رفتہ کی یاد ستاتی ہے نہ وہ پُرخطر حالات میں گھبراتا ہے اور نہ مستقبل کے اندیشہ ہائے موہوم اسے مضطرب کرتے ہیں۔ زمانہ کے تلخ و شیریں اور گرم و سرد حالات میں وہ کچھ اسطرح پُرسکون رہتا ہے جیسے جنت میں پُرسکون زندگی بسر کرنے والا لبشر طمانیتِ قلب کی یہ متاعِ عزیز کتنی گراں قدر چیز ہے اس کا اندازہ صرف وہ پریشان آدمی کرسکتا ہے جو ہر وقت خوف اور اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ایک دانا سے سوال کیا گیا سرور کیا ہے ؟ اور خوشی کا راز کیا ہے ؟ اس نے کہا "سکون" کیونکہ محرومِ سکون کے پاس زندگی کے ہزار سامان بھی موجود ہوں تو اُس کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔

محرومِ ایمان کا اضطراب اور صاحبِ ایمان کا سکون

میں ایک دائمی خوف میں مبتلا ہوں لوگوں کا خوف، اپنی ذات کا خوف اور دیگر اشیاء و موجودات کا خوف، خوف مکمل طور پر میرا احاطہ کئے ہوئے ہے نہ دولت و ثروت مجھے سکون بخشتی ہے۔ نہ بلند منصب، نہ صحت، نہ عورت، نہ محبت، نہ تفریح طبع کے رنگا رنگ پروگرام۔ ہر چیز کو میں نے آزما دیکھا کوئی بھی تو میرے لئے سکون بخش ثابت نہ ہوئی۔ آخر یہ خوف مجھ پر کیوں مسلّط ہے؟ کیا یہ آلام و افکار کا پیدا کردہ ہے ؟ نہیں مجھے کوئی غم لاحق نہیں نہ کسی بات کی فکر ہے۔ دُنیا اور اسبابِ دُنیا میں سے ہر چیز میرے پاس موجود ہے۔ مال ہے، عزت ہے تندرستی و توانائی ہے حسن و جمال ہے۔ پھر خوف کس بات کا ہے ؟ کیا اللہ کا خوف ہے ؟ نہیں ایسا بھی نہیں۔ اللہ تو میری زندگی سے بالکل خارج ہے۔ پھر خوف کس کا ؟

Marfat.com

کیا معاشرہ کا؟ لیکن اس کو تو میں سخت ناپسند کرتا ہوں۔ اس سے بیزار ہوں اور اس کا مذاق اڑاتا رہتا ہوں۔ تو کیا میں موت سے ڈرتا ہوں؟ مگر اسکی بھی مجھے پرواہ نہیں نہ اس کے بارے میں کبھی سوچا ہے۔ کبھی کبھی میں اس لیئے بھی خوفزدہ رہتا ہوں کہ اب تو کوئی ایسی چیز نہیں جس کا خوف کھاؤں لیکن بعد میں نہ کوئی صورت پیدا ہو جائے اور کبھی اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ اس وقت ہر نعمت میسر ہے پھر شاید رہے نہ رہے۔ ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود میں سکون سے محروم ہوں۔ سب کچھ پا لینے کے بعد بھی میں بے چین ہوں معلوم حقیقتوں سے نہیں، نامعلوم اور مجہول امور سے خائف رہتا ہوں۔ میری بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ میرے خوف وہراس، اور تشویش واضطراب کی بنیاد خود زندگی ہے۔" یہ اُس شخص کی قلبی کیفیت ہے جو ایمان سے محروم ہوتا ہے۔ اس کے بر عکس یہ بھی دیکھئے کہ صاحبِ ایمان کے روز و شب کیسے گذرتے ہیں۔

وہ عام حالات تو درکنار انتہائی خطرناک مواقع پر بھی پُر سکون رہتا ہے۔ رسولِ پاکؐ اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں تھے اور کفارِ قریش اِن کے تعاقب میں چاروں جانب بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ڈھونڈ نکالنے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات تجویز کئے جا چکے تھے۔ اِس عالم میں چند لوگ تلاش کرتے کرتے ٹھیک اُسی غار کے اوپر پہنچ جاتے ہیں جس میں سرورِ کونینؐ اور جناب صدیقؓ موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ، یا رسول اللہ اگر یہ لوگ اپنے پاؤں کی جانب دیکھیں تو ہم انہیں نظر آسکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی پُرسکون انداز میں فرمایا۔ ابوبکر لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدۂ محترمہ کا خیال تھا کہ بس اب چند ہی لمحوں کے بعد بچہ فرعون کے بے رحم جلادوں کی چھری کے نیچے ہوگا مگر فوراً ہی ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ جب بچے کی جان کو خطرہ ہو تو اسے ایک صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیا جائے۔ والدہ نے —— جی ہاں اُس نومولود بچہ کی والدہ نے سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دیئے۔ کمالِ سکون کے ساتھ اور اس ایمان کی بدولت کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اگر ایمان نے حضرت موسیٰ کی والدہ کو طمانیتِ قلب کی بہت بڑی مقدار فراہم نہ کی ہوتی تو وہ بیٹے کو موت کے منہ میں جھونکنے پر کبھی تیار نہ ہوتیں۔

ایمان ہی اصل سر چشمۂ امن ہے

مومن صرف خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور یہ ایک ڈر اُسے خوف و بے اطمینانی کے دوسرے تمام حملوں سے محفوظ و مامون کر دیتا ہے۔ اسے اللہ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی دوسری طاقت ایسی نظر نہیں آتی جو اُس کی زندگی اور موت یا نفع و نقصان پر اثر انداز ہو سکتی ہو حضرت

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کو مشرک معبودانِ باطل سے ڈراتے تھے مگر خلیل اللہ کا استدلال یہ تھا کہ تمہارے جھوٹے معبودوں سے میں کیوں ڈروں حالانکہ تم شرک کرتے ہوئے سچے خدا سے نہیں ڈرتے۔

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۔ غور تو کرو فریقین میں سے کون امن کا زیادہ مستحق ہے خدا کے پرستار یا شرک کے علمبردار۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور توحید ہی میں امن و سکون کا راز مضمر ہے اور اس کے مقابلے میں کفر و شرک آدمی کے اندر خوف گھبراہٹ اور بے اطمینانی پیدا کرتے ہیں۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ (آل عمران: ۱۵۱)

ہم کافروں کے دلوں میں (دوسروں کا) رعب و دبدبہ اور خوف ڈال دیتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک روا رکھتے ہیں۔"

منکرین اور متشککین کے اندیشے منکرینِ حق کو سب زیادہ اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ زمانہ اور اس کے حادثات سے، نیز فقر و فاقہ اور بیماری سے وہ ہر وقت لرزہ براندام رہتے ہیں اور موت سے تو ان کے خوف کا عالم کچھ نہ پوچھئے گویا وہ کوئی خوفناک دشمن یا خونخوار درندہ ہے۔ اخلاقیات کے فلسفی ابن مسکویہ نے لکھا ہے: موت سے صرف وہ شخص خوف کھاتا ہے جو حقیقت موت کو نہیں سمجھتا۔ نہیں جانتا کہ اس کی روح کہاں چلی جاتی ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا بدن مٹی میں مل جائیگا تو اس کی شخصیت فنا ہو جائیگی مگر یہ عالم باقی رہے گا یا اس کے خوف کی بنیاد وہ درد و الم ہوتا ہے جو عالم نزع میں آدمی اٹھاتا ہے۔ یا بعد موت کسی سخت سزا و عقوبت کا تصور اسے دہشت زدہ کرتا ہے۔ یا وہ اس لئے متاسف رہتا ہے کہ ڈھیروں مال جمع کر کے وہ خود خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ بہر حال اسی قسم کے اوہام کے تحت اس کی زندگی گزرتی ہے جو ہر آن ایک قلق، ایک خوف اور ایک اضطراب سے دوچار رہتی ہے۔

مومن رزق کے معاملہ میں مطمئن رہتا ہے ۔ دنیا میں انسان کو بالعموم جو چیزیں پریشان رکھتی ہیں ان میں سے ایک رزق کا معاملہ ہے لوگ رزق کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتے؟ حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیتے ہیں عزت و ناموس کو داؤں پر لگا دیتے ہیں کسی ایک ذریعۂ روزگار پر انحصار کرنے کے بجائے متعدد ذرائع اختیار کرتے ہیں اور صرف اپنی ذات تک ہی نہیں بلکہ اپنی اولاد و احفاد کے لئے پشتوں تک کا بندوبست کرتے ہیں، یوں ہر طرح رزق کا تحفظ کرنے کے باوجود انہیں سکون نصیب نہیں ہوتا۔ اُن کے مقابلے میں اہل ایمان ہیں کہ جن کے لئے رزق کا مسئلہ کبھی درد سر نہیں بنتا۔ وہ اللہ کی صفت ربوبیت و رزاقیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں یہ

ارشادِ باری وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ۝ (ہود: ۶) فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیتا ہے جب وہ اس یقینِ الٰہی کے عین مطابق پرندوں کو آشیانوں میں، درندوں کو جنگلوں میں، مچھلیوں کو سمندروں میں اور کیڑے مکوڑوں کو چٹانوں تک کے اندر رزق پہنچتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اپنے قوی و قدیر خدا کے نظامِ رزق رسانی پر پوری طرح مطمئن ہو جاتے ہیں اسی اطمینان کا نتیجہ ہے کہ جب ایک مومن کو فرض پکارتا ہے تو وہ شہادت کے ارمان سینے میں پالتے ہوئے میدانِ جہاد کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے درآنحالیکہ وہ اپنی اہلیہ چھوٹے چھوٹے بچوں اور ضعیف والدین کا واحد سہارا ہوتا ہے۔ وہ انہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو صرف اس یقین و ایمان کے سہارے اُن کا حقیقی سہارا خدا ہے جو اُس سے زیادہ مہربان ہے اور اُس سے بہتر ذرائع پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

مومن موت سے بھی نہیں ڈرتا رزق کے بعد دوسری چیز جس کا لوگوں کو دھڑکا لگا رہتا ہے موت ہے۔ مگر موت و حیات سے متعلق وہ واضح حقائق جو ایک مومن کے پیشِ نظر رہتے ہیں اگر عام لوگ بھی اُن کا ادراک کر لیں تو شاید موت کی طرف سے وہ کچھ سکون محسوس کریں۔ مومن اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ زندگی کی مہلت اور موت کا ایک وقت معین ہے۔ اِس میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۳۴)

دوسری چیز جسے مومن اچھی طرح سمجھتا ہے یہ ہے کہ موت سے فرار بہر حال ممکن نہیں ہے۔ ہر ذی روح پر یہ گھڑی وارد ہو کر رہتی ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آلِ عمران: ۱۸۵) ایک اور بات جو موت کے خوف کو زائل کیے رکھ دیتی ہے یہ ہے کہ اس مرحلہ سے گذر کر ہی وہ دارِ فانی سے دار الخلود کی طرف کوچ کر سکتا ہے۔ ابدی و سرمدی انعاماتِ خداوندی سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور انبیاء و صلحاء کے حضور میں جگہ پا سکتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ موت کو ریب و تشکک میں مبتلا انسان ہی ناپسند کرتا ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جو محب کو محبوب کے قریب کرنے والی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نیک آدمی کا وقتِ موت آ پہنچا تو وہ اٹھا، غسل کیا، خوشبو لگائی اور دو رکعت نماز ادا کرنے لگا اور چند لمحوں کے بعد جب لوگ اُس کے قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ قبلہ رُخ پڑا ہے اور اُس کی رُوح پرواز کر چکی ہے۔ اس کے سر کے پاس ایک کاغذ پڑا ملا جس پر یہ اشعار درج تھے۔

قل لاخوان رأونی میتا　　فبکونی ورثونی حزنا
اتظنون بانی میتکم　　لیس ھذا المیت واللہ انا

Marfat.com

احمد اللہ الذی خلصنی — وبنیٰ لی فی المعالی سکنا
لا تظنوا الموت موتا انہ — لیس الا نقلۃ من ھاھنا

ترجمہ:- میرے بھائیوں سے کہو جو مجھے مُردہ پاکر رنج و غم کی وجہ سے رونے اور اظہارِ تاسف کرنے لگے ہیں کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں مرگیا ہوں، خدا کی قسم میں مرا تو نہیں۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے دنیا کے مصائب سے نجات دلائی اور میرے لئے بلندیوں میں ایک مسکن تعمیر کیا۔ بھائیو موت کو موت نہ سمجھو، یہ تو یہاں سے عالمِ آخرت کی طرف محض منتقل ہونا ہے۔

موت کے بارے میں یہ خوشگوار تصور خاصانِ امت کے ہاں ہی نہیں ملتا بلکہ عام اہلِ امت بھی اسی احساس سے سرشار پائے گئے ہیں۔ ایک بدّو کا مرض شدت اختیار کر گیا تو لوگ کہنے لگے اب تو آپ مرجائیں گے۔ اُس نے پوچھا موت کے بعد میں کہاں جاؤں گا؟ وہ بولے اللہ کے پاس۔ اس پر بدّو نے کہا تو پھر خوف کس بات کا؟ اللہ ہی تو وہ ہستی ہے جو خیر و عافیت کا مصدر و منبع ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ سرِ موت سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خرابی و ویرانی کے بغیر آبادی نہیں ہوتی۔ نہ اچھی طرح کھدائی کیئے بغیر قیمتی خزانہ ہاتھ لگتا ہے۔ اسی طرح پھولوں کی ہستی فنا ہو تو پھلوں کو حیات ملتی ہے بعینہٖ روح کی تقویت اور بالیدگی اور اسے لباسِ جدید عطا کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ موجودہ جسدِ خاکی فنا کر دیا جائے اور یہ موت کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید برآں کسی نعمت کو سلب کرنے کے بعد اللہ کی صفتِ جود و سخا کا تقاضا یہ ہے کہ اُس سے بڑی نعمت عطا کرے۔ پس اگر وہ دنیائے فانی کی حیاتِ ناپائیدار سلب کرتا ہے تو کچھ اس لئے نہیں کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کر دے بلکہ اس لیے کہ حضرتِ انسان کو اس سے بہت بہتر حیاتِ جاوید عطا کرے۔

Marfat.com

ایمان اور اُمّید

مومن کو جن ذرائع سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اِن میں سے ایک کا نام امید ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو زندگی کی شبِ تاریک کو منوّر کرتا ہے اور زندگی کی خوفناک اور پُر پیچ گذرگاہوں میں انسان کو عمل کی صاف سیدھی شاہراہ دکھاتا ہے۔ شجرِ زندگی کو اِس سے بالیدگی ملتی ہے۔ تمدّن کا عظیم الشان قصر اپنی تعمیر کے لئے اس کا مرہونِ منت ہے اور اسی کی بدولت سعادت و خوش بختی کا مزہ قائم رہتا ہے۔

امید انسان میں عمل کا داعیہ پیدا کرتی ہے اور مداومتِ عمل پر اسے ابھارتی ہے۔ کاہل کو چُست اور چُست کو اور زیادہ سرگرمِ عمل بنا دینا اِس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ کسان کو جو چیز دن رات کھیت میں خون پسینہ ایک کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ اچھی فصل کی امید ہے۔ تاجر خطرناک سفر اختیار کرتا ہے تو نفع کی امید پر۔ طالب علم کبھی محنت نہ کرتا اگر اسے کامیابی کی امید نہ ہوتی۔ ایک سپاہی اگر شجاعت و جوانمردی کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے تو اِس کا محرک فتح و ظفر مندی کی امید کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔ مریض کڑوی کسیلی دوائیں خوشی خوشی کھالیتا ہے تو اِس کی وجہ بھی صحت یاب ہونے کی امید ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک بندۂ مومن اگر خواہشِ نفس کی مخالفت اور اپنے پروردگار کی ہر حالت میں اطاعت کرتا ہے تو اس عمل کے پیچھے بھی یہ امید ہی کارفرما ہوتی ہے کہ اِسے اپنے پروردگار کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی، اور وہ اِس کے انعاماتِ فراواں کا مستحق ٹھہرے گا۔ غرض یہ کہ ؎ ما اضیق العیش لولا فسحۃ الامل — زندگی کتنی تنگ ہوتی اگر امید نے اِس کا دائرہ کشادہ نہ کر دیا ہوتا

اِس کے مقابلے میں نا امیدی ہے جو سینے میں روشن شعلۂ امید کو بجھا دیتی ہے اور حرکت و عمل کے تمام اسباب و دواعی کو یکسر ختم کر دیتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہلاکت کا باعث دو چیزیں ہیں نا امیدی اور تکبر"۔ امام غزالیؒ نے اِس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو جمع اِس لئے کیا گیا ہے کہ حصولِ سعادت سعی و طلب اور کوشش مزید کے بغیر ممکن نہیں لیکن مایوس آدمی نہ عمل کرتا ہے نہ مطالبہ اور مغرور و متکبر آدمی تھوڑی سی کوشش کو بھی کافی سمجھ بیٹھتا ہے۔ نتیجۃً دونوں ناکام رہتے ہیں اور یہ ناکامی وہ چیز ہے کہ جس کے ڈانڈے ہلاکت سے جا ملتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ زندگی، سعادت سے ہمکنار زندگی کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ پُر امید رہے۔

Marfat.com

یاس اور کفر لازم و ملزوم ہیں یاس کا عنصر سب سے زیادہ منکرینِ خدا اور کفار میں پایا جاتا ہے یا پھر اُن لوگوں میں جن کا ایمان بہت کمزور ہوتا ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ کافر صرف اپنے بل بوتے پہ جیتا ہے اور اُس کی نظر مادی وسائل پہ ہی ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اِس عظیم کارخانۂ قدرت میں ایک انسان کی اوقات ہی کیا ہے؟ اور اِس کے اپنے وسائل کی حیثیت کیا؟ جن وسائل کو اِس نے سب کچھ سمجھ رکھا ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد جواب دے جاتے ہیں تو اُن کے بعد پھر مایوسی ہی مایوسی ہوتی ہے۔ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف ۸۷) پھر چونکہ کافر کا اپنے خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، بنا بریں اُسے مایوسی سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی پس جو شخص جتنا زیادہ مایوسی کا شکار ہوگا اُتنا ہی بڑا کافر ہوگا اور جس کا کفر اِنتہا درجہ کا ہوگا۔ اِس کی مایوسی بھی بلا نہایت ہوگی

مایوسی کے لوازم میں کفر کے علاوہ شک بھی ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے وجود اور یوم حساب میں شک رکھتا ہے۔ اُس کے حکیم اور عادل ہونے کا پورا یقین نہیں رکھتا اُس کا دامن بھی اُمید سے تہی ہوتا ہے۔ اُسے نہ لوگوں سے خیر کی امید ہوتی ہے، نہ اِس کائنات سے نہ خود زندگی سے۔ وہ سیاہ عینک کے ساتھ دنیا کو دیکھتا ہے۔ اِس وجہ سے اُسے ہر چیز سیاہ اور شر و فساد سے مملو نظر آتی ہے۔ اُسے روئے زمین ایک جنگل اور اِس میں بسنے والے انسان وحشی اور درندے دکھائی دیتے ہیں۔ اِس تناظر میں اسے زندگی ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہوتی ہے۔ کچھ ایسا ہی تاثر زندگی کے بارے میں قائم کرکے ابو العلاء معری نے یہ شعر کہا ہوگا

هٰذَا جَنَاهُ اَبِیْ عَلَیَّ وَمَا جَنَیْتُ عَلٰی اَحَدٖ

یہ میری زندگی ایک ایسا جرم ہے جو میرے باپ سے سرزد ہوا لیکن مَیں نے ایسا جرم کسی پہ نہیں کیا یعنی میں کسی کی پیدائش کا سبب نہیں بنا۔

ایمان امید کو جنم دیتا ہے جس طرح یاس اور کفر لازم و ملزوم ہیں اسی طرح اُمید اور ایمان بھی متلازم ہیں چنانچہ ایک ایماندار سب سے زیادہ پر امید اور خوش گمان ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان نام ہی اُس اعلیٰ اور عظیم طاقت کو تسلیم کرنے کا ہے جو اس کائنات کا انتظام کر رہی ہے، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں اور جو کسی کام سے عاجز نہیں۔ ایسی ہستی، جو ہر مجبور و مضطر کی پکار سنتی ہے، جواب دیتی ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے، کو ماننے والا نا امید کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ اللہ جو اپنے بندوں پہ اُس سے کہیں زیادہ مہربان ہو جتنی کہ ماں بچے پہ ہوتی ہے۔ وہ اللہ جو دن کے وقت جرم کرنے والوں کو معاف کرنے کے لئے رات کو نہیں اس بات کے لئے پکارتا ہو کہ وہ آئیں اور

Marfat.com

اُس کی بارگاہ میں عفو طلب کریں۔ وہ الٰہ جو گنہگار کو آمادۂ توبہ و انابت دیکھ کر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہو جتنا صحرائے لق و دق میں اپنے سر و سامان اور سواری کو گم کرنے والا قریب المرگ مسافر، سواری کو اچانک سامنے پا کر خوش ہو سکتا ہے۔ وہ الٰہ جو ایک نیکی کا بدلہ سات سو نیکیوں کے برابر دیتا ہو اور بدی کا بدلہ صرف ایک ہی بدی کے برابر دے یا بالکل ہی معاف کر دے۔ وہ الٰہ جو اعراض کرنے والے کو قریب سے بلاتا ہے اور رجوع کرنے والے کی طرف دور سے توجہ دیتا ہے ——— اُس الٰہ پر ایمان کیا امید کو جنم نہ دے گا؟ خیر و عافیت کی امید کو، عفوِ تقصیر کی امید کو، حسنِ انجام کی امید کو اور ابدی و سرمدی سعادت کے حصول کی امید کو۔

مومن اور مادہ پرست کی امیدوں کا فرق

مومن کی امید و رجاء کی کوئی حد ہی نہیں ہوتی کیونکہ اُس کے ربِ رحیم کے فضل و کرم اور رحمت کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ مزید برآں اُس کی امید کوئی خام اور ناپختہ قسم کی امید نہیں ہوتی بلکہ نہایت مضبوط اور ناقابلِ شکست ہوتی ہے وجہ ظاہر ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ۔ وہ اللہ کے لئے جی رہا ہوتا ہے اور اللہ اس کے لئے اپنی لامحدود طاقت وقف کر دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد امید ٹوٹنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟

مومن جب لڑتا ہے تو فتح کی مضبوط امید کے ساتھ لڑتا ہے وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ وہ بیمار ہو جاتا ہے تو صحت کی پختہ امید کے ساتھ مرض کا مقابلہ کرتا ہے۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اُس سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو امیدِ مغفرت کا دامن اُس کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ اُس پر تنگی و مشکلات کا زمانہ آ جائے تو وہ کشائش اور فراخی کی امید رکھتا ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ وہ کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے اللہ سے اجر کا امیدوار ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ وہ پیر فرتوت بھی ہو جائے تو اسے اولاد کی امید رہتی ہے۔ وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا اور وہ دنیا میں کفر و باطل کا غلبہ دیکھتا ہے تو کبھی یاس و قنوط کا شکار نہیں ہوتا بلکہ استیلائے حق اور زوالِ باطل کی امید قائم رکھتا ہے اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

مادہ پرست ظاہری اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور ان کے پیچھے کارفرما اللہ کی عظیم طاقت کو تسلیم نہیں کرتے، مگر خدا پرست اسباب و وسائل کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ نظر صرف خدا پر رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مادہ پرست جب ناامید ہو جاتے ہیں اور اُن پر دنیا باوجود فراخی کے تنگ ہو جاتی ہے تو خدا پرست

Marfat.com

پر دائرہ حیات پھر بھی کشادہ رہتا ہے مومن کی بیماری کو طبیب لا علاج قرار دیتے ہیں تو وہ مایوس نہیں ہوتا بلکہ خدا سے امید شفا قائم رکھتا ہے۔ اس کی پریشانی و محرومی اور اس کی مظلومیت کا کوئی مداوا نہ کرسکتا ہو تو اس کے لیے فکر کی کوئی بات نہیں ہوتی وہ خدا کو ہر آن اس قابل سمجھتا ہے کہ اس پر ہونے والے ظلم کا ازالہ کر دے اور اس کی پریشانی کو دور فرما دے۔ سیدنا ابراہیم اور حضرت زکریا علیہما السلام ظاہری اسباب کے لحاظ سے قطعاً اس قابل نہ تھے کہ ان کو اولاد عطا ہو سکتی، مگر دنیا نے دیکھا کہ وہ نعمت اولاد سے ہمکنار ہوئے، حضرت یونس اور حضرت ایوب علیہما السلام پر ابتلاء کی ایسی گھڑیاں آئیں کہ جن میں کوئی ان کے لئے کچھ نہ کر سکتا تھا مگر وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی گوہر مقصود عطا کر دیا حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر جا رہے تھے۔ ساحل سمندر پر پہنچ کر دیکھا تو پیچھے فرعون کے لشکر تھے اور آگے سمندر کے تند و تیز تھپیڑے مگر حضرت موسیٰؑ کو اپنے رب کی قدرت کاملہ کا یقین محکم تھا اور بنی اسرائیل کی نجات کی پوری امید تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پایاب بنا کر حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو ظالموں کے تسلط سے آزادی بخشی، دوسری طرف فرعون کو لشکر سمیت غرق کر دیا۔

تاریخ کے یہ وہ واقعات ہیں جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں مگر مادہ پرست ان میں سے بعض کا، یا سب ہی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا وقوع ان کے خیال میں معلوم اور معتاد اسباب کے ماتحت نہیں لیکن اہل ایمان تو سمجھتے ہیں کہ ظاہری اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و مطلقہ کو محدود نہیں کر سکتے۔ ان اسباب کے بندوں سے کوئی پوچھے کہ اگر معتاد اسباب ہی اصل حقیقت ہوتے ہیں اور ان کے خلاف یا ان سے بالا کسی چیز کے بارے میں کچھ سوچنا اور بولنا غیر معقول ہے تو کیا اس طرز فکر کے ساتھ کسی قسم کی علمی ترقی ممکن ہے۔ کیا معتاد اسباب کے مقلد بن کر ہم ایٹمی اور خلائی دور میں داخل ہو سکتے تھے اگر قدیم زمانہ کا تانگہ بان یہ کہتا کہ آمد و رفت کا ذریعہ تو بس یہ تانگے اور رتھیں وغیرہ ہی ہیں، ہوائی جہاز میں بیٹھ کر سفر کرنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ معتاد اسباب کے خلاف بات ہے تو کیا تانگہ بان کی اس بات کو درست تسلیم کر لیا جاتا اگر نہیں تو مادہ پرستوں کی خدا کے معاملے میں یہ جسارتیں کیسے درست ہو سکتی ہیں؟

امید زندگی کے لئے ناگزیر ہے

اگر امید کا وجود نہ ہوتا تو آج علمی ترقیات کا نام و نشان بھی نہ ہوتا اہل علم و ایجاد اپنے زمانہ کے ثابت شدہ امور سے آگے صرف اس امید پہ قدم بڑھاتے رہے ہیں کہ وہ نامعلوم حقائق کو دریافت کریں گے اور زندگی کی بہتر سے بہتر سہولتیں فراہم کر سکیں گے چنانچہ جب انہوں نے دامن امید پکڑ کر جد و جہد کا آغاز کیا تو کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

Marfat.com

داعیانِ حق، مصلحینِ امم اور تحریکوں کے بانی اگر اِس امید سے سرشار نہ ہوتے کہ اُن کا مشن کامیاب رہے گا تو کیا وہ میدانِ عمل میں کودتے؟ اور اگر بے دلی کے ساتھ کود بھی پڑتے تو کیا ان کی حیثیت ان سپاہیوں کی سی نہ ہوتی جو اسلحہ کے بغیر محاذِ جنگ پہ پہنچ جائیں۔ ایسی سپاہ کا مقدر فتح و نصرت تو نہیں ہو سکتا۔

عام زندگی کے معمولات میں اگر امید ہمرکاب ہو تو مشکل کام آسان اور بعید چیز قریب ہو جاتی ہے۔ لیکن مایوسیاں آدمی کو گھیر لیں تو آسان ترین کام بھی مشکل دکھائی دیتے ہیں اور قریب الحصول مقاصد ناممکن نظر آنے لگتے ہیں۔ عظیم الشان تمدن، پرشکوہ ادارے، آمدورفت کے حیرت انگیز وسائل اور رواں دواں حیات کے جملہ مظاہر امید ہی کے تو متعدد کرشمے ہیں۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہادیٔ برحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے۔ آیئے ذرا اِس امر کا جائزہ لیں کہ اس میں امید کس حد تک جلوہ گر نظر آتی ہے۔ سب سے پہلے آپؐ تیرہ سال تک مکہ میں دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ طنز و طعن، تضحیک و استہزاء، شدید مخالفت، ظلم و تشدد اور مقاطعہ تک نوبت پہنچی اور آپؐ اپنے پیروؤں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دینے پہ مجبور ہو گئے لیکن آپؐ نے حوصلہ نہیں ہارا اور شعلۂ امید برابر آپؐ کے سینے میں روشن رہا۔ حضرت خبابؓ بن الارت جن کا آقا لوہے کی سلاخیں گرم کر کے اُن کی پشت کو داغ دیتا تھا۔ رسولِ پاکؐ کے پاس آتے ہیں اور بے پناہ مصائب اور ناقابلِ برداشت اذیتوں کی شکایت کرتے ہوئے آپ سے کافروں کے لئے بددعا کی درخواست کرتے ہیں تاکہ اُن کو قومِ عاد و ثمود کی طرح تباہ و برباد کر ڈالا جائے۔ مگر چہرۂ رسالتمآبؐ اِس درخواست سے اللہ متغیر ہو جاتا ہے۔ آپؐ حضرت خبابؓ کو صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہیں اور مستقبل کی کامیابی کی امید کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”اے خبابؓ، تم سے پہلے حق و صداقت کے علمبرداروں کو لوہے کے آروں سے دو لخت کر دیا جاتا تھا مگر انہیں کوئی راہِ راست سے منحرف نہ کر سکا۔ خدا کی قسم یہ دین ضرور غالب ہو کر رہے گا اور ایک تنہا سفر کرنے والا صنعا سے حضرموت تک جائیگا اور اللہ کے سوا اُسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ جلد بازی سے کام لیتے ہو۔“ غور فرمایئے اِس سنگین صورتِ حال پہ استقامت کے پیچھے کیا شے کارفرما ہے اور اِن ارشادات کے پس پردہ کیا چیز بول رہی ہے؟

پھر نبیٔ آخر الزماںؐ اور آپ کے تمام پیرو مدینہ کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں ہجرت کے موقع پہ آپ کا تعاقب کیا جاتا ہے اور آپ کے پیروؤں کو تنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر کسی کے پائے

Marfat.com

ثبات میں لغزش نہیں آتی۔ مدینہ پہنچ کر بھی مسلمانوں کو چین نہیں لینے دیا جاتا۔ نت نئی جنگوں اور آئے دن کی جھڑپوں سے سابقہ پیش آتا ہے حتیٰ کہ ایک موقع پہ پورا عرب مدینہ کی چھوٹی سی آبادی پہ پل پڑتا ہے۔ مدینہ کے اندر یہود اور منافقین کی ریشہ دوانیاں اس پہ مستزاد ہیں اس موقع پہ جب قرآن کے الفاظ میں خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے۔ کیا اللہ کی نصرت کی امید کے علاوہ کوئی اور چیز تھی جس نے مسلمانوں کو سہارا دیا ؟

مختصر یہ کہ دنیا کے اس عظیم داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت پر خطر اور مشکل زندگی میں جو چیز قدم قدم پہ ولولۂ تازہ دیتی نظر آتی ہے۔ ہر آن حوصلہ بڑھاتی اور مزاحمت و مدافعت پہ مسلمانوں کو ابھارتی ہے اور بالآخر نسبتاً کم وسائل رکھنے کے باوجود ابتداءً عرب کے وسیع و عریض علاقے پہ اور بعد ازاں چار دانگِ عالم میں ان کی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیتی ہے۔ وہ امید ہے صرف امید — اللہ کے بے حد و حساب انعام و اجر کی امید۔ شہادت و فتح مندی کی امید اور تائید و نصرتِ الٰہی کی امید۔

Marfat.com

ایمان اور محبت

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور تم ایماندار نہ ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو" ــــــــــــــ ارشادِ رسالتمآب ﷺ

محبت، رضا سے معناً خاص تر اور اثرات کے اعتبار سے عمیق تر ہے۔ آدمی بسا اوقات کسی چیز یا شخص سے راضی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ گہرا قلبی تعلق نہیں رکھتا یہی قلبی تعلق رضا اور محبت کے فرق کو واضح کرنے والی چیز ہے۔ محبت روحِ موجودات، اکسیرِ قلوب اور جانِ امن و سلامتی ہے۔ جس طرح قانونِ کشش کے تحت یہ کرۂ خاک، دیگر سیارے اور افلاک اپنی اپنی جگہ پہ قائم ہیں اسی طرح جذبۂ محبت تعلقاتِ انسانی کو خراب ہونے یا تصادم کی صورت اختیار کرنے سے بچاتا ہے۔ محبت کی اہمیت انسان اچھی طرح سمجھتا ہے اور یہ کسی نے کہا ہے کہ اگر محبت منصبِ سیادت پہ فائز ہو جائے تو دنیا کو نہ عدل کی ضرورت رہے نہ قانون کی۔ اس سے محبت کی قدر و قیمت ہی کا صحیح اظہار ہوتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے محبت کے اثرات کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں "محبت تلخ کو شیریں، مٹی کو سونا، کدورت کو صفا اور درد و الم کو شفا میں تبدیل کر دیتی ہے محبت تکلیف کو نعمت، قہر کو رحمت اور زنداں کو جنت بنا دیتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو لوہے کو نرم کرتی ہے، پتھر کو پگھلا دیتی ہے اور تنِ مردہ میں حیاتِ تازہ پھونک دیتی ہے" مشہور صحافی اور ادیب استاذ محمد ذکی عبدالقادر نے تمثیل کے پیرائے میں نفسانی رجحانات کا تذکرہ بدیں الفاظ کیا ہے "میں نے دور وسطِ بحر میں کچھ روشنیاں دیکھیں جیسے درخشاں ستارے ہوں اور خواہش کی کہ مجھے بھی مستقبل میں ایسا ہی چراغِ ہدایت میسر ہو اور ہم میں سے کون ہے جو اپنے مستقبل کو تابناک ستارے کی چمک سے محروم دیکھنا چاہتا ہے۔ تابناک ستارہ آنے والے دور میں راہنمائی کے لئے ــــ بھلا وہ کیا ہو سکتا ہے؟ کیا حکمت و فلسفہ؟ مگر وہ کلامِ خشک کے علاوہ ہمیں کیا دے سکتا ہے؟ کیا حذر و احتیاط؟ مگر اس کے پاس ایک خوفِ مسلسل کے سوا اور ہے کیا؟ کیا عمل؟

Marfat.com

مگر وہ تو اپنے دامن میں تعب اور مشقت ہی رکھتا ہے یا پھر مال و دولت ؟ نہیں وہ بھی نہیں وہ تو ان سب کا مجموعہ ہے ۔ خوف ، احتیاط ، محنت ، مصیبت تو پھر مستقبل کا نجم نا بندہ کسے قرار دیں ؟ کیا محبت ؟ ہاں ہاں بلا شبہ یہی وہ منفرد جوہر ہے جو ہمیں امن و امان اور سلامتی و عافیت سے ہمکنار کر سکتا ہے ، محبت ہر چیز سے محبت ، ہر انسان سے محبت ، ہر نعمت سے ہی نہیں ہر مصیبت سے بھی محبت ۔ نعمت سے محبت جنگ و جدال کی گرمی کو کم کر دیتی ہے اور مصیبت سے محبت اُس کا مقابلہ کرنے کی تاب و توانائی عطا کرتی ہے ، کیا جملہ موجودات سے اس نوعیت کی محبت کوئی کر سکتا ہے ؟ کوئی نہیں سوائے اس شخص کے جس کے دل میں بشاشت ایمان گھر کر چکی ہو ۔ ایمان ہی مصفا اور مدام محبت کا خزانہ ہے اور صرف مومن ہی خدا کی پیدا کردہ ہر چیز سے محبت کر سکتا ہے ۔ حتیٰ کہ زندگی اور موت سے بھی ۔

اللہ تعالیٰ کی محبت : ایمان سب سے پہلے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے ۔ وہ اللہ جو خلق و امر کا نقطۂ آغاز اور ایجاد و امداد کا مصدر ہے ۔ جو خود جمیل ہے اور جس کی پیدا کردہ ہر چیز حسن و جمال کی آئینہ دار ہے جو خود کامل و مکمل ہے اور جس کے مظاہر کمال ، ذرات خاک سے لے کر سیارگان نور تک ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور ہر تشنۂ کمال اسی کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہے ۔ مومن اس لئے بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے کہ لطف و احسان کا سرچشمہ اصلی وہی ہے اور اپنے محسن سے محبت کرنا عین اقتضائے فطرت ہے پھر سب سے بڑے محسن سے تو سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے ۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى	کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمان کی ساری
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ	چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی
عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً	اور چھپی ساری نعمتیں تم پہ تمام کر دی ہیں ۔

(لقمان : ۲۰)

صاحب ایمان پہ اللہ تعالیٰ کے جو ان گنت احسانات ہیں ان کی بنا پہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات ، اپنے اہل و عیال ، اپنے والدین اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرتا ہے ۔ اللہ کی کتاب سے محبت کرتا ہے جو نوع انسانی کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے ۔ اللہ کے رسول ؐ سے محبت کرتا ہے جو رحمۃ للعالمین ہیں اور ہر اس انسان سے محبت کرتا ہے جو صاحب خیر و صلاح ہے کہ ان سب سے محبت تقاضائے ایمان ہے ۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَاجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ ۔

Marfat.com

جملہ موجودات سے محبت اس عالمِ مادی سے بھی مومن کا تعلق عداوت و نفرت کا نہیں بلکہ محبت کا تعلق ہے کیونکہ یہ عالم اُس کی نظر میں اللہ کی آیات کا ایک گنجینہ ہے۔ اسے اِس عالم کی کوئی چیز بھی عبث اور فضول نظر نہیں آتی وہ ہر شَے میں کمال درجے کی حکمت و دانائی، حیرت انگیز توازن و تناسب اور بے نظیر تقدیر و تقسیم کا اہتمام دیکھتا ہے۔ وہ کھلی آنکھوں سے جب اِس عالمِ طبیعی کا مشاہدہ کرتا ہے تو یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا کہ ایک طرف اگر ہر چیز ذاتِ حق کی تسبیح و تحمید کر رہی ہے تو دوسری طرف خود انسان کیلئے مُسخّر ہو کر بزبانِ حال اسے خلافتِ ارضی کا اہل تسلیم کرتی ہے۔ ایسے عالم کو جس کا ذرّہ ذرّہ عظمتِ آدم کو خراجِ اطاعت پیش کر رہا ہے مومن نظرِ حقارت کیوں دیکھے اور کیوں اس کی تباہی و بربادی کا خواہاں ہو۔

پھر یہ دُنیا اختلافِ احوال اور تغیّر و تنوع سے عبارت ہے اِس کے تنوع اور تغیّر کو بعض لوگ پسند نہیں کرتے اور رات اور دن کے اختلاف سے اِلٰہِ خیر کے ساتھ ساتھ ایک اِلٰہ شر کے وجود کا یقین کر لیتے ہیں جبکہ مومن ظلمت و نور کے تسلسل کو اللہ کی ایک بڑی نعمت اور اس کی توحید کی ایک بہت بڑی نشانی قرار دیتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (القصص ۷۲-۷۳)	(اے نبیؐ) ان سے کہو، کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لئے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لائے تاکہ تم اس سے سکون حاصل کر سکو۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کر سکو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو تاکہ تم شکر گذار ہو۔

یوں اِس عالمِ طبیعی کے اختلافِ شب و روز کو ایک مومن جب اپنے لئے مفید اور سازگار پاتا ہے تو اسے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ آب و گِل کے اِس جہاں سے محبت نہ کرے۔

افلاک کے مسخر شدہ سیارے اور زمین کے منفعت بخش خطّے تو ایک طرف رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بعض ان مقامات کو بھی اپنی محبت اور پسندیدگی کی سند عطا کی جہاں سے ظاہر بین لوگ شگونِ بد لے سکتے تھے۔ امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ بن مالک خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

Marfat.com

کیا کہ جب آپؐ خیبر گئے تو میں بھی بغرضِ خدمت آپ کے ساتھ تھا۔ واپسی پر آپ کو جبلِ اُحد نظر آیا تو آپؐ نے فرمایا: ھٰذا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبّت کرتا ہے اور اس سے ہم بھی محبّت کرتے ہیں۔ غور فرمایئے کہ اِس پہاڑ کی وہ کیا خصوصیت تھی جس کی بناء پر اس سے محبّت کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اِس کے دامن میں لشکرِ اسلام کو شکست ہوئی تھی۔ رسولِ پاک خود زخمی ہو گئے تھے اور ستّر کے لگ بھگ صحابہ کرام شہید ہو گئے تھے۔ اِس ہزیمت کے باوجود محبّت کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اِسی خطۂ زمین کے پہلو میں مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا تھا کہ خدا و رسول کی اطاعت کے بغیر دنیا و عقبیٰ میں کامیابی محال ہے نصرتِ الٰہی حاصل نہ ہو تو محض ساز و سامان اور افراد کی طاقت اہلِ حق کو سربلند نہیں کر سکتی پس مومن جب رُوئے زمین و اوجِ افلاک پر ہر جگہ خدا کی آیات موجود پاتا ہے تو کائنات کے گوشے گوشے سے محبت کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔

زندگی سے محبّت | مومن زندگی سے بھی محبت کرتا ہے۔ وہ اسے گناہ سمجھتا ہے نہ جرم اور نہ دنیا میں آنے پر والدین کو کوستا ہے، نہ خدا کو۔ وہ حیاتِ دنیا کو اللہ تعالیٰ کی ایک امانت اور نعمت سمجھتا ہے جس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ حدیثِ نبویؐ ہے۔

خیرالناس من طال عمرہٗ وحسن عملہٗ — خیر و سعادت سے سب سے زیادہ بہرہ ور وہ شخص ہے جس نے لمبی عمر پائی اور جسے اچھے کام کرنے کی توفیق ملی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کی مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مومن کے لئے عمرِ رواں خیر میں اضافہ ہی کا سبب ہوتی ہے۔ ایک مقام پر عمومی طور پر فرمایا "تم میں سے کوئی موت کی خواہش نہ کرے کیونکہ اگر وہ نکوکار ہے تو ہو سکتا ہے اس کی نیکی میں اضافہ ہو جائے اور اگر وہ غلط کار ہے تو ممکن ہے آنے والے وقت میں اسے توبہ و انابت الی اللہ کی توفیق مل جائے ان ارشاداتِ رسولؐ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی کو بہر صورت خیر ہی پر محمول کرنا چاہیئے اور ایک صاحبِ ایمان کے لئے تو یہ فی الحقیقت سراپا خیر ہی ہے۔

موت سے محبت | مومن زندگی سے محبّت اس لئے نہیں کرتا کہ دنیا کے ادنیٰ لذائذ و منافع سے وہ متمتع ہو رہا ہے بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ یہاں اسے حقوق اللہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے جس کے نتیجے میں موت کی سرحد پار کرتے ہی وہ اپنے رحیم و شفیق پروردگار سے ملاقات کی نعمت پاتا ہے۔ ایسی صورت میں بھلا وہ موت سے کیوں گبھرائے گا۔ وہ موت جس سے دیدارِ الٰہی نصیب ہو سکتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جب

Marfat.com

ابن ملجم نے مہلک وار کیا تو آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ الفاظ نکلے :

"فُزتُ بِربِّ الکعبہ" رَبِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا ۔

ایسے مواقع پہ کوئی بات بنائی نہیں جا سکتی بلکہ بے اختیار اُس حقیقت کا اظہار ہو جاتا ہے جو انسان کے دل و دماغ اور رگ و پے میں سرایت کر چکی ہو۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقتِ وفات آیا تو اُن کی اہلیہ محترمہ کی چیخیں نکل گئیں اور "واکرباہ واکرباہ" (ہائے مصیبت) کہنے لگیں۔ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمانے لگے۔ واطرباہ! واطرباہ (واہ واہ کیوں نہیں کہتی وفات کے فوراً بعد میں اپنے پیاروں سے ملاقات کرنے والا ہوں محمد رسول اللہ سے اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضرت خالد بن ولید جب ایران و روم کے سپہ سالاروں سے خط و کتابت کرتے تو انہیں لکھتے "اسلام قبول کر لو سلامتی پاؤ گے۔ بصورتِ دیگر میں تمہاری طرف ایک ایسی فوج روانہ کروں گا جو موت سے اُتنی ہی محبت کرتی ہے جتنی محبت تم حیاتِ دنیا سے کرتے ہو۔

ابنائے نوع سے محبّت اہلِ ایمان تمام لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے بندے اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے میں سب یکساں ہیں سب ایک دوسرے سے رحم و نسب کے رشتے میں بندھے ہوتے ہیں سب کا مقصدِ حیات (خدا کی بندگی و عبادت) ایک ہے اور ایک ہی سب کا دشمن ہے یعنی شیطان اس ہمہ گیر اشتراک کا تقاضا ہے کہ عالمِ انسانیت سے تعلقاتِ محبت استوار کئے جائیں۔ ان تعلقاتِ محبت کو استوار کرنے کے لئے اسلام نے توحید، رسالت اور اخوّتِ انسانیت کے عقائد دیئے ہیں۔ امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے حضرت زید بن ارقم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے :

اللّٰھم ربنا و رب کل شیءٍ و ملیکہ	"اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار اور بادشاہ
انا شھید انک الرب وحدک لا شریک	میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اکیلا ہی پروردگار ہے اور تیرا
لک اللّٰھم ربنا و ربّ کل شیءٍ انا	کوئی شریک نہیں اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے
شھید ان محمدًا عبدک و رسولک	پروردگار میں گواہ ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور رسول
اللّٰھم ربنا و رب کل شیءٍ انا شھید	ہے۔ اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں
ان العباد کلھم اخوۃً ۔	اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں"

سرورِ کونینؐ کے ان دعائیہ کلمات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ نوعِ انسان کی اخوّت و محبت کوئی ضمنی

Marfat.com

حیثیت رکھنے والا مسئلہ نہیں بلکہ توحید و رسالت جیسے بنیادی عقائد کی طرح بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

رنگ، نسل، زبان اور علاقائی بنیاد پر قائم ہونے والے تمام امتیازات بھی اسلام نے اسی لئے کالعدم قرار دیئے ہیں کہ ان کے موجود رہتے ہوئے نوعِ انسانی میں نفرت کے رجحانات تو پیدا ہو سکتے ہیں، محبت کے جذبات نہیں۔ اسلام کا یہ نظریہ کہ:

"کلکم من آدم و آدم من تراب"۔ تم میں سے ہر ایک کا باپ آدم ہے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

ایک طرف اگر اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ انسانوں میں اونچ نیچ اور ذات پات کے تصورات منافیِ اسلام ہیں تو دوسری طرف محبتِ نوع کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔

خدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے اپنے ابنائے نوع سے محبت، ایک مومن کی نظر میں کیسا کچھ مسلّم اور مؤکّد امر ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اسلام میں من حیث الکل تمام انواعِ مخلوقات کا احترام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مفید اور ضروری قسم کے جانوروں سے ہی نہیں، وحوش و طیور، حشرات الارض حتیٰ کہ نجس اور پلید جانوروں تک سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ کسی ذی روح کو مزے لے لے کر اور تڑپا تڑپا کر مارنا جائز نہیں، چاہے وہ کتنا ہی مہلک اور ضرر رساں کیوں نہ ہو۔ کسی حلال جانور کو خدا کا نام لے کر بھی کند چھری سے ذبح کرنا ممنوع ہے۔ کسی چوپائے کو بھوکا پیاسا رکھنا ناجائز ہے۔ بلا ضرورت کسی درخت کی شاخ تک کاٹنا پسندیدہ نہیں، یہاں تک کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کتے خدا کی تخلیق میں ایک نوع نہ ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا"۔ یہ ارشادِ رسول ؐ اور دیگر احکامِ اسلام جانوروں سے متعلق ہمیں یہی سکھاتے ہیں کہ خدا کی تمام مخلوقات کے لئے ہمارے دل میں احترام، محبت اور رحم کے جذبات پیدا ہوں۔ اس کے بعد انسانوں سے محبت کرنا کتنا ضروری ہے کچھ زیادہ محتاجِ وضاحت نہیں رہتا۔

مومن کا سینہ حسد و بغض سے پاک ہوتا ہے

محبت کا سب سے پہلا اثر جو مومن کا دل قبول کرتا ہے۔ وہ حسد و بغض سے بیزاری ہے اس کے نورِ ایمان سے منوّر سینے میں بدی و بدخواہی کی تاریکی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی وہ بہر حال خیر کا طالب ہوتا ہے۔ اپنے لئے بھی اور دوسرے تمام لوگوں کے لئے بھی وہ جو خدا سے بھی راضی ہوتا ہے اور مخلوق سے بھی محبت کرتا ہے۔ اس کے عقیدۂ رضا و محبّت میں آخر حسد و بغض کس طرف سے داخل ہو سکتے ہیں وہ کسی کو خوشحال و کامران دیکھ کر حسد کرے تو کس بنیاد پر؟ کیا خدا کی تقسیمِ رزق پر معترض

Marfat.com

ہو۔ یا انسان کی تباہی و بربادی کا خواں؟ مگر یہ دونوں کام اس کے دین و ایمان سے مغایرت رکھتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے: "اے ابنِ آدم تو اپنے بھائی سے حسد کیوں کرتا ہے اللہ نے جو کچھ اسے دیا ہے اگر وہ اس کا فضل و کرم ہے تو تو ایسے آدمی پر حسد کیوں کرتا ہے جس کی عزت و تکریم کا خود خدا متمنی ہے اور اگر وہ خدا کا فضل و کرم نہیں کچھ اور ہے تو تجھے اُس کے دوزخ کی طرف جانے پر حسد کیوں ہے؟" ابنِ سیرینؒ نے فرمایا "میں نے دنیا کے مال و متاع کو دیکھ کر کسی آدمی پر کبھی حسد نہیں کیا۔ اگر وہ اہلِ جنت میں سے ہے تو اس کی دنیوی آسودگی سے حسد کرنا فضول ہے کہ جنت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے اور اگر وہ دوزخ کا ایندھن بننے والا ہے تو اس بدنصیب کے اس انجام کا خیال کر کے میں اس کی دنیا پر کیسے حسد کر سکتا ہوں؟" یہی حال بغض اور کینے کا ہے۔ وہ اہلِ ایمان جو معاف کرنے میں لذت محسوس کرے جو انتقام پہ قادر ہو اور بدلہ لینے کا حق رکھتا ہو مگر نہ لے، جس کی نظر میں بغض رکھنا اللہ کی رحمت سے دور ہونا ہو۔ وہ کسی کا برا کیوں چاہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر سوموار اور جمعرات کو انسانوں کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی دن ہر اُس شخص کی مغفرت فرما دیتے ہیں جو شرک نہ کرتا ہو سوائے اُن دو حضرات کے جو باہم بغض میں مبتلا ہوں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اعمال کا بار ان پر ہی رہنے دو تا آنکہ یہ آپس میں صلح کر لیں۔" آپ نے یہ بھی فرمایا: "اس وقت تک مومن کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کیلئے وہی شے پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک اپنے بھائی کے لئے اس چیز کو ناگوار نہ سمجھنے لگے جسے وہ اپنے لئے ناگوار محسوس کرتا ہے۔" ان احادیثِ پاک میں جن محاسن کو سمویا گیا ہے کیا جذبۂ محبت کے بغیر عملی زندگی میں انہیں فروغ دیا جا سکتا ہے اور یہ جذبہ انسان کے دل میں ایمان کی بدولت ہی پرورش پاتا ہے۔

ایثار و قربانی اہلِ ایمان کی خصوصیت ہے محبت کا بلند ترین درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات پر اپنے بھائی کو ترجیح دے اور اس کی ضرورت کو مقدم سمجھے۔ وہ خود بھوکا پیاسا رہ لے لیکن اپنے بھائی کی شکم سیری کا اہتمام کرے خود مشقت اٹھائے مگر اپنے بھائی کے لئے راحت کا سامان ہی مہیا کرے۔

مگر محبت کا یہ بلند کردار اسی وقت سامنے آتا ہے جب اس کے پیچھے ایمان کی طاقت موجود ہو۔ مکہ اور عرب کے دیگر مقامات سے خدا اور اس کے رسول پہ ایمان رکھنے والے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہیں مال و اسباب سے لدے ہوئے نہیں بلکہ لٹے پٹے یہ راہِ حق کے راہی جب مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو انصار انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔

اس وقت رسولِ پاک نے مہاجرین کی بحالی کا مسئلہ اس طرح حل کیا کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک

Marfat.com

انصاری کا بھائی قرار دے دیا۔ اِس مواخات کے بعد انصار نے مہاجرین کو رہنے کے لئے اپنے مکانات دیئے۔ کام کاج کے لئے اپنے وسائل مہیا کئے۔ اپنی زمینوں اور اپنے اثاثوں کی پیش کش کی اور یک دل و یک جان ہوکر گذر بسر کرنے لگے۔ غور فرمایئے اِس ایثار و قربانی اور اخوت و محبت کی بنیاد کیا چیز تھی ؟ کیا کوئی خون کا تعلق ؟ نہیں۔ کیا رنگ، زبان اور علاقے کا اشتراک ؟ نہیں یہ عرب اور بیرونِ عرب سے تعلق رکھنے والے لوگ جن میں سیاہ فام بھی تھے سفید فام بھی۔ قریشی بھی اور اوس و خزرج کے قبائل کے لوگ بھی۔ کوئی شمالی عرب کا باشندہ تھا تو کوئی جنوبی عرب کا بعض یمنی اور حجازی تھے تو بعض رومی اور فارسی۔ بہت سے غریب تھے اور کئی ایک امیر تاجر پیشہ بھی تھے کاشتکار بھی اور ایک بڑی تعداد اُجرت پہ کام کرنے والوں کی بھی تھی۔ ان میں قدرِ مشترک صرف ایک چیز تھی ——— ایمان ——— اور اسی کے نتیجے میں اخلاص و ایثار کا یہ بے نظیر مظاہرہ ہوا کہ رسول اللہؐ نے فرما دیا تم سب بھائی بھائی ہو اور وہ بھائی بھائی بن گئے، حقیقتاً بھائی۔ دُنیا کے بھائیوں سے زیادہ گہرے اور ایثار پیشہ بھائی۔ ہر ایک محبت کا پیکر اور اخوت کا مجسمہ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے اور سعدؓ بن ربیع خزرجی کے درمیان تعلقِ اخوت قائم کر دیا۔ سعد مجھے گھر لے گیا اور کہا۔ مَیں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ یہ لیجئے میرا نصف مال حاضر ہے اور دیکھیئے میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جس کو پسند کر و۔ آپ کے لئے اس سے جدائی اختیار کر لیتا ہوں۔ حلال ہونے پہ آپ اِس سے نکاح کر لیں اِس مخلصانہ ایثار کا جواب حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں مَیں نے یہ دیا کہ اللہ آپ کے گھر بار اور مال و دولت میں برکت دے یہ سب کچھ آپ اپنے ہی پاس رکھیں، مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں تاکہ تجارت کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انصار کے بے پناہ ایثار کو سراہتے ہوئے فرمایا :

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (الحشر : ۹)	(اور یہ اموالِ فے) اُن لوگوں کے لئے بھی ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اُس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پہ دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔

Marfat.com

محبت کے زیرِ اثر بغض وکراہت کا وجود اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر انسان میں جذبۂ محبت کے علاوہ بغض کا بھی کچھ نہ کچھ عنصر ضرور موجود ہوتا ہے، اور وہ کسی نہ کسی صورت میں خروج کے راستے تلاش کرتا رہتا ہے ایمان نے جذبہ محبت کو فروغ دینے کے ساتھ بغض وکراہت کے منفی جذبات کو بھی مثبت مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے اور یوں منفی جذبات کے لئے خود راستہ مہیا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ	شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو
مزید فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ	اور جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں ان شیطان کے ساتھیوں سے خوب جنگ اور قتال کرو
(النساء: ۷۶)	

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے خلاف بغض رکھنا ہے تو شیطان سے رکھو، اُس کے حواریوں سے رکھو اور ان سے جنگ بھی کرو لیکن کسی خدا کے پرستار اور صداقت کے علمبردار سے نہیں۔ یہاں یہ امر واضح رہے کہ شیطان یا اس کے کسی پیرو سے بھی بغض بحیثیت ایک شخصیت کے جائز نہیں نہ کسی عصبیت کے زیرِ اثر درست ہے۔ بغض اس کی گمراہی و ضلالت سے ہو اُس کے دجل وفریب سے ہو۔ وہ راہِ راست سے رد کے اور حق سے منحرف کرے تو پھر ہو۔ یہی مفہوم ہے اُس حدیثِ نبوی کا جس میں آپؐ فرماتے ہیں "جس نے اللہ کے لئے محبت کی، اللہ کے لئے بغض رکھا۔ اللہ کے لئے دیا اور اللہ کیلئے روکا اُس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

مذکورہ بالا گذارشات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ اسلام پر ایمان رکھنے والا ہی دراصل اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اگر کسی چیز کی طرف سے اُس کے دل میں کراہت پیدا ہوتی ہے یا کسی کے خلاف وہ بغض رکھتا ہے تو وہ بھی یا تو رحمت و شفقت کی ہی بنا پر ہوتا ہے یا شیطان جیسی خیر سے یکسر عاری مخلوق سے متعلق محبت کا یہ وسیع مفہوم صرف ایمان کا پیدا کردہ ہے اور آدمی کے ایمان کی دلیل بھی۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک باایمان نہ بن جاؤ اور تم کبھی باایمان نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔

Marfat.com

ایمان اور استقامت

مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے کہ ہر صورت حال اس کے لئے اپنے دامن میں بھلائی رکھتی ہے۔ اور یہ صرف مومن ہی کا خاصہ ہے۔ اگر وہ خوشحال ہوتا ہے تو شکر کرتا ہے جو اس کے لئے سراپا خیر ہے اور اگر بدحالی و مصیبت سے دوچار ہو تو صبر کرتا ہے اور یہ "صبر" بھی اس کے لئے بہتر ہے۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

امید، رضا، سکون قلب، اور محبت، ایمان کے وہ پسندیدہ ثمرات ہیں جن سے ہر صاحب ایمان مستفید ہوتا ہے، اور جو معرکۂ حیات کے مصائب و آلام سے پُر اور صبر آزما لمحات میں خاص طور پہ مومن کے بہترین ہتھیار سمجھے گئے ہیں۔ ان ہتھیاروں کی مستقل ضرورت کا احساس اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب دنیا کی حقیقت انسان پہ آشکارہ ہوتی ہے۔ یہاں دنیا میں حادثات ناگزیر ہیں شدائد و محن سے ساکنان ارض دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو نامساعد حالات کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں اور طویل جد و جہد بھی کسی طرح مثمر نہیں ہوتی بعض کے عزیز انتقال کر جاتے ہیں بعض کو کوئی خطرناک بیماری لاحق ہوتی ہے۔ اور بہتیرے بدنصیب وہ ہیں جن کی عمر بھر کی پونجی لُٹ جاتی ہے۔ الغرض اس دنیا میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے جو طبع انسان پر ناقابل بیان حد تک ناگوار گزرتا ہے، اور اس کی امنگوں اور آرزوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

جُبِلت علی کدر وانت ترید ہا   صفواً من الاٰلام والاکدار !!

وَمکلفُ الایّام ضدّ طباعہا   متطلب فی الماءِ جذوۃ نار

(ترجمہ) دنیا ایک مقام تکدّر ہے لیکن لے انسان تو اسے غموں اور کدورتوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اس کے مزاج کے برعکس ہے۔ اور انسان یہ خواہش کر کے گویا پانی کے ذخیرے سے آگ کا انگارہ طلب کرتا ہے

حیات دنیا میں مصائب و آلام کا وجود اللہ کی سُنّت کے عین مطابق ہے اور یہ سب انسانوں سے متعلق

ہے لیکن اللہ کے پیغمبر گردشِ روزگار کا خاص طور پہ شکار ہوئے ہیں۔ جب وہ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے ہیں اور خواہشِ نفس کی پیروی سے روکتے ہیں تو کفر کے علمبردار اور نفس کے بندے ان کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ پھر جب یہ صاحبانِ رشد و ہدایت معروف کا حکم دینے اور منکرات کا استیصال کرنے کے لیے جد و جہد کرتے ہیں تو آہستہ آہستہ تمام طاغوتی طاقتیں ان کے خون کی پیاسی بن جاتی ہیں اور اس طرح جانگسل آزمائشوں کا ایک دور شروع ہو جاتا ہے جس سے اہلِ حق کو گزرنا پڑتا ہے۔ قصۂ آدم و ابلیس، کشمکشِ ابراہیمؑ و نمرود، معرکۂ موسیٰؑ و فرعون اور محاربۂ محمدؐ و ابوجہل، معرکۂ حق و باطل کے مختلف مظاہر ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ
الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام: ۱۱۲)

اور ہم نے ہمیشہ اسی طرح شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پہ خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پہ القاء کرتے رہے ہیں۔

انبیاء آزمائشوں کی بھٹی میں ٹہلے گئے اور ان کے جانشینوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا اور ہر وہ شخص جو اُن کی بتائی ہوئی راہِ حق پہ گامزن رہا۔ دینِ حق کے باغیوں نے انہیں تکلیفیں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا مصیبتوں کے پہاڑ کن انسانوں پر ٹوٹتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا انبیاء و رسل پہ پھر وہ جو پیرویٔ حق و صداقت میں اُن سے زیادہ قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے مشابہ ہوں۔ یاد رکھو آدمی پہ یہ ابتلا اس کے دین کے مطابق آتے ہیں۔ اگر وہ پیرویٔ دین میں زیادہ سخت ہو تو اس کی آزمائشیں بھی سخت ہوتی ہیں اور اگر اس کا دین کمزور ہو تو اُس پہ نازل ہونے والی مصیبت بھی معمولی ہوگی

اہلِ ایمان کی استقامت کی مثالیں

سامریہ کی اسرائیلی ریاست کا جب اشوریوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا اور یروشلم کی یہودی ریاست کے سر پہ تباہی کا طوفان کھڑا تھا تو یرمیاہ نبی نے اپنی قوم کو متنبہ کرنا شروع کر دیا کہ سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہوگا۔ مگر قوم کی طرف سے ان کو جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ ہر طرف سے ان پہ لعنت اور پھٹکار کی بارش ہوئی، پیٹے گئے، قید کئے گئے اور آخر میں رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض میں لٹکا دیئے گئے تاکہ بھوک اور پیاس سے وہیں سوکھ سوکھ مرجائیں۔ بایں ہمہ اللہ کے پیغامبر نے پیغامِ حق سنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور مخالفین کی ناقابلِ برداشت اذیتوں کے مقابلے میں کمالِ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا مگر اس بدبخت قوم نے ان کی ایک نہ سنی۔

Marfat.com

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے عہد کا یہودی فرمانروا ہیرودانٹی پاس رومی تہذیب کے اثرات سے پوری طرح متاثر تھا اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور پھیل رہا تھا خود اس نے اپنے بھائی کی بیوی ہیرو دیاس کو گھر میں ڈال رکھا تھا حضرت یحییٰ نے اس پہ ہیرودیاس کو ملامت کی اور اس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اٹھائی اس جرم میں ہیرودنے ان کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا مگر اس کی بیوی نے اس سزا کو کافی نہ سمجھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یحییٰ علیہ السلام جو اخلاقی روح قوم میں پھونک رہے ہیں وہ لوگوں کی نگاہ میں اس جیسی عورتوں کی تذلیل کا باعث بن رہی ہے چنانچہ وہ ان کی جان کے درپے ہوگئی۔ آخر کار ہیرود کی سالگرہ کے جشن میں اس نے وہ موقع پالیا جس کی وہ تاک میں تھی۔ جشن کی تقریب میں اس کی بیٹی نے رقص پیش کیا جس پر خوش ہو کر ہیرودنے کہا مانگ کیا مانگتی ہے بیٹی نے فاحشہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں ماں نے کہا یحییٰ کا سر مانگ لے چنانچہ اس نے کہا مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھوا کر ابھی منگوا دیجئے اس نے فوراً حضرت یحییٰ کا سر قلم کرنے کا حکم دیا اور ناصحہ کی نذر کر دیا یہ وہ سلوک تھا جو یہود نے اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کے ساتھ کیا اور اسارت و قتل کے مقابلے میں وہ ثبات و استقامت تھی جو ہمیں سیدنا یحییٰ کی ذات میں مجسم ملتی ہے۔

نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی یوں تو استقامت کی جیتی جاگتی مثال ہے تاہم ابتلاء و آزمائش کا وہ دور جس سے آپ منصب رسالت پہ فائز ہونے کے بعد گزرے اور جو مکی زندگی کے آخری سالوں میں شدت اور سنگینی کے اعتبار سے دور عروج تھا اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہماری مراد شعب ابی طالب میں آل ہاشم کے محصور ہونے سے ہے۔ آدمی بسا اوقات تنہا ایک مصیبت کو برداشت کر لیتا ہے لیکن جب وہ مصیبت ایک شخص کی وجہ سے پورے خاندان اور برادری پر ٹوٹ رہی ہو اور اس ابتلاء کا سلسلہ دو چار دس دن تک نہیں بلکہ سالوں تک پھیلتا ہوا نظر آئے تو برادری کے مختلف المزاج اصحاب کا ردعمل دیکھ کر بڑے بڑے دل گردے کے انسان بھی ہل جاتے ہیں اور ان کے پائے ثبات میں لغزش آجاتی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اس معنی میں بے مثال ہے کہ آپؐ آل ہاشم سمیت پورے تین برس اس گھاٹی میں رہے۔ اس دوران صحابہ کا بیان ہے کہ ہم ببول کے پتیاں کھا کر وقت گزارا کرتے کبھی کوئی سوکھا چمڑا ہاتھ لگتا تو اسے پانی میں بھگو کر اور آگ پہ بھوننے کے بعد کھا لیتے۔ چھوٹے بچے بھوک سے نڈھال ہو کر روتے، تو دور دور تک اُن کے رونے کی آواز سنائی دیتی اور بے درد قریش اس آہ و بکا کو سن کر خوش ہوتے اپنے رفقاء و احباب کو یوں تکلیف میں مبتلا دیکھ کر رسول مقبول کے دل پہ جو کچھ گذرتی ہوگی اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے

Marfat.com

مگر آپ اِن تمام صعوبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے ۔ مصیبت اور محصوری کا یہ دور ختم ہوا ہی تھا کہ ابوطالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چند ہی دنوں میں یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا ۔ ان دونوں ہستیوں کا اٹھنا تھا کہ کفارِ قریش اذیت رسانی میں کچھ زیادہ ہی دلیر ہوگئے اور فقر و فاقہ کا عالم جو پہلے ہی ناگفتنی تھا اس میں اور بھی شدت آگئی انہیں المناک حالات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ کی اطاعت کرنے کی بنا پر اس قدر خوفزدہ کیا گیا کہ اتنا خوف کسی دوسرے کو نہیں دلایا گیا اور اللہ کے احکام بجالانے کی وجہ سے اِس قدر اذیت پہنچائی گئی کہ اتنی اذیت میں کسی دوسرے کو کبھی مبتلا نہیں کیا گیا اور مجھ پر ایسے سخت حالات آئے کہ متواتر تیس دن تک میرے اور بلال رضؓ کے لئے کھانے کو کوئی چیز نہ ہوتی کوئی چیز جسے جاندار کھا سکے سوائے اِس قلیل مقدار کے جو بلال زیر بغل رکھتے (ترمذی بروایتِ انس)

ظلم وستم کا نشانہ تنہا رسولِ پاک ہی نہ تھے بلکہ اس دور میں کم و بیش ہر مسلمان پر مشقِ ستم ہوئی اور نہایت کڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا ۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو عرب کی تپتی ریت پر یہ ظالم آپ کو لٹا دیتا اور پتھر کی چٹان سینہ پہ رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ کرنے پائیں پھر اُن سے کہتا کہ اسلام سے منہ موڑلو ورنہ یوں ہی گھٹ گھٹ کے مرجانا ہوگا لیکن حضرت بلال رضؓ کی زبان حق ترجمان سے صرف ایک ہی بات نکلتی اَحَد اَحَد ھُوَاللّٰہُ اَحَد جب امیہ دیکھتا کہ ان کے پائے ثبات متزلزل نہیں ہو رہے تو گلے میں رسی ڈال کر اوباش جوانوں کے حوالے کر دیتا جو انہیں شہر کے اِس سرے سے دوسرے سرے تک گھسیٹتے پھرتے ۔ حضرت خباب بن ارت قبیلہ بنی تمیم کے فرد تھے جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے ۔ انہوں نے اُس وقت اسلام قبول کیا جب بمشکل چھ سات سعادت مند حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے ۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں ۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پہ بچھائے اور ان پر چت لٹا دیا ۔ ایک شخص چھاتی پہ پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں ۔ یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے دب کر ٹھنڈے ہوگئے ۔ حضرت عمار ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی جور و جفا کے پہاڑ ٹوٹتے رہے ۔ حضرت عمار رضؓ کو قریش اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے حضرت یاسر کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہوگئے اور حضرت سمیہؓ وہ باشرف خاتون ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خدا کی راہ میں جام شہادت نوش کیا ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں انہیں برچھی مار کر شہید کر دیا تھا ۔ ——— اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے چند ایک کی استقامت

Marfat.com

کا یہ تذکرہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ اہلِ ایمان کی استقامت سے مزیّن ہے صحابہ کرام کے بعد تابعینِ عظام، آئمہ اربعہ، محدّثین اور دیگر بے شمار صلحائے اُمّت کی زندگیاں اِس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ صرف ایمان ہی ہے جو بندگانِ خدا کو انتہائی نامساعد حالات میں استقامت بخشتا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں بلند حوصلگی اور جرأت سے ڈٹ جانے کی تعلیم دیتا ہے اور سنگ و آہن سے مضبوط عزم و ہمّت عطا کرتا ہے۔

منکرینِ خدا مصیبتوں سے زیادہ گھبراتے ہیں

اِس کے برعکس تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ سب سے زیادہ گھبرا جانے والے اور شدائدِ حیات کے سامنے جلد گھٹنے ٹیک دینے والے لوگ بالعموم وہ ہوتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے یا ریب و تشکیک کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نہ تو تقدیر کے قائل ہوتے ہیں کہ اس پر راضی ہو جائیں نہ خدا کو مانتے ہیں کہ اُس کی حکمتوں پر مطمئن ہو سکیں نہ انبیاء و صلحاء کی مصیبتوں بھری زندگی میں ان کے لئے کوئی نمونہ ہوتا ہے کہ جس سے انہیں صبر و ثبات کی رہنمائی مل سکے اور نہ حیات بعد الموت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہاں کی جزا و سزا انہیں کچھ تسلی دے سکے۔ ان کی مثال اس کشتی کی سی ہے جس کے پتوار اور بادبان گم ہو چکے ہوں اور سمندر کے تند و تیز اور سرکش تھپیڑے چار جانب سے اسے غرق کرنے کے درپے ہوں کیا اس کشتی کو غرق ہونے سے کوئی چیز بچا سکتی ہے اور کیا اُسے ہر وقت غرق ہو جانے کا خوف لاحق نہ رہے گا بالکل اسی بے اطمینانی اور گھبراہٹ سے منکرینِ خدا ہر لمحہ دوچار رہتے ہیں۔

اہلِ ایمان کی استقامت اور اس کا ماخذ

مومنین سب سے زیادہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور ہر نوع کی مصیبتوں پر ثبات و استقامت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ حیاتِ دنیا کو حیاتِ اُخروی کے مقابلے میں بہت حقیر سمجھتے ہیں اتنا حقیر کہ اس کے درد و الم کو خاطر میں نہیں لاتے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (النساء ۷۷)

دوسری وجہ یہ ہے کہ مومن حیاتِ دنیا کے بارے میں سنّت اللہ کا واضح شعور رکھتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ دنیا میں انسان کو عقل و فکر اور ارادہ و اختیار کی آزادی دیکر بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس کی آزمائش کی جائے چنانچہ اسے مصائب کے نزول پر کوئی تعجب نہیں ہوتا البتہ اسے تعجب اس وقت ضرور ہوتا ہے جب دار المحن میں دار الجزا کی سی سہولتیں میسّر آ جاتی ہیں تیسری چیز جو اہلِ ایمان کو ثبات و استحکام عطا کرنے والی ہے وہ اپنے پیشروؤں کے حالات ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ صداقت کے علمبردار ہر دور میں ستائے جاتے رہے ہیں۔ کون سا مکر و فریب اور کون سی چال ہے جو اہلِ کفر نے اُن کے خلاف نہیں چلی۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو جلتی آگ کے شعلوں میں پھینک دیا گیا

اور

سیدنا زکریا علیہ السّلام کو آرے سے چیر ڈالا گیا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کو طائف کے بازار میں اس قدر لہولہان کیا گیا کہ آپؐ بار بار غش کھاکر زمین پر گر پڑتے تھے یہ خوفناک مظالم اور ان میں حضرات انبیاء کی مثالی استقامت اہلِ ایمان کی نظروں کے سامنے دہتی ہے اور اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی۔

تقدیر پر ایمان، مومن کے لئے ابتلاء کو آسان بنا دیتا ہے نازل ہونے والی ہر مصیبت کے بارے میں مومن یہ سمجھتا ہے کہ یہ کسی اندھی بہری طاقت کی طرف سے بے سوچے سمجھے پڑنے والی افتاد نہیں، بلکہ وہ قضائے مُبرم اور نوشتۂ تقدیر ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور اس قضا کے پیچھے اس حکیم و دانا کا علم و ارادہ کارفرما ہے جو بندے کی قوت و طاقت اور ابتلاء کی سختی و شدّت کا خوب اندازہ رکھتا ہے۔ جس کا ہر فیصلہ کمال درجہ کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور جس کی رحمت و شفقت اس کے قہر و غضب پر بہرحال غالب رہتی ہے دَوران مصیبت مومن کے ذہن میں یہ بات بھی برابر رہتی ہے کہ زندگی کی تلخیاں اور حادثات اس کے لیے قیمتی اسباق ہیں اور دین و دنیا کے نفع بخش تجربات بھی جو اس کے مزاج کو پختگی اور اس کے ایمان کو جلا بخشتے ہیں اور اُس کے دِل کا زنگ دور کرکے رکھ دیتے ہیں۔ رافعی نے کتنے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے "انڈے کی سفیدی اور زردی کے لئے اُس کا خول ایک قید خانہ ہی تو ہے۔ لیکن اسی قید خانے میں سفیدی اور زردی کو مختلف سخت مراحل سے گذرنے کے بعد ایک حسین و جمیل چوزے کی شکل اختیار کرنی ہوتی ہے۔ اب اگر انڈے کا سیال مواد ایک مدّتِ معیّنہ کے لئے صبر نہ کرے تو دسترخوانِ شاہی کا وہ جزوِ لذیذ جسے مُرغ کہتے ہیں کس طرح وجود میں آ سکتا ہے" ٹھیک اسی طرح مومن اللہ کی تقدیر پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے دُنیا کی آزمائش کی ہر بھٹی سے گذر جاتا ہے اور آفات و حوادثِ روزگار کو زیادہ محسوس نہیں کرتا کیونکہ ساکنِ فردوس کی حیثیت سے نہایت حسین انجام اُس کا مقدر ہوتا ہے۔

مصائب دنیا اہلِ ایمان کی نظر میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بیک وقت دو مصیبتیں آئیں۔ ایک کا تعلق دین سے تھا۔ دوسری کا دنیا سے، یعنی یا تو عزیز مصر کی بیوی کی ناجائز خواہش پوری کریں یا برسوں جیل میں رہیں اور مشقت و صعوبت کا سامنا کریں۔ مگر یوسف علیہ السّلام نے اپنے اللہ سے عرض کی رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ (یوسف: ۳۳) میرے پروردگار! مجھے جیل خانے کی زندگی اس کام سے عزیز تر ہے جس کی طرف یہ لوگ مجھے بلا رہے ہیں

سلف میں سے ایک بزرگ نے فرمایا مجھ پر جب کوئی دنیاوی مصیبت آتی ہے مجھے احساس ہوتا ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تین احسانات کئے ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ پہلا احسان یہ کہ اس مصیبت کا تعلق میری دنیا سے ہے میرے دین سے نہیں کیونکہ دنیا کے نقصان کی کوئی بات نہیں مگر دین کا نقصان تو ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ دوسرا احسان یہ کہ جو مصیبت آئی ہے۔ اس سے بڑی مصیبت میں بھی اللہ تعالیٰ مبتلا کر سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچا لیا۔ تیسرا احسان یہ کہ مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب اللہ تعالیٰ میرے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں جو مجھے بہر حال ملنا ہے۔ بنا بریں کسی مصیبت پر رنج و غم کا اظہار کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

اسی طرح ایک اور مردِ حق آگاہ سے منقول ہے کہ انہیں پاؤں میں کوئی تکلیف تھی۔ جب بھی شدید درد ہوتا تو وہ مسکرا دیتے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کو اتنا سخت درد ہوتا ہے مگر آپ کراہتے تک نہیں۔ فرمانے لگے "درد کے ثواب کی مٹھاس اس کی تکلیف کی تلخی کو بھلا دیتی ہے"

حضرت عروہ بن زبیرؓ فقہاءِ تابعین میں نہایت ممتاز مقام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک پاؤں کو ایسی بیماری لگ گئی کہ جس کی وجہ سے اطباء نے اسے بلا تاخیر کاٹنے کا حکم دے دیا تاکہ بیماری کے اثرات پنڈلی اور ران تک منتقل نہ ہو جائیں۔ حضرت عروہؓ نے پاؤں کو بخوشی آرے کے نیچے رکھ دیا۔ اس موقع پر ان کی خدمت میں پینے کے لئے ایک دوائی پیش کی گئی تاکہ ان کے حواس معطل ہو جائیں اور وہ قطع عضو کی تکلیف کو محسوس نہ کریں۔ جب آپ کو دوائی کی خاصیت کا پتہ چلا تو آپؓ نے فرمایا "میں نہیں سمجھتا کہ اللہ پر ایمان رکھنے والا شخص ایسی دوائی پی سکتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا شعور معطل ہو جائے اور وہ کسی چیز کا ادراک نہ کر سکے حتیٰ کہ اللہ کا بھی۔ آئیے اور پاؤں کاٹ دیجئے۔ چنانچہ ٹخنے سے آپ کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور آپ خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے۔ معمولی تکلیف کا بھی آپ نے اظہار نہ کیا۔ کرنا خدا کا اسی رات آپ کا بیٹا جسے آپ باقی تمام بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے چھت پر سے گرا اور جاں بحق ہو گیا۔ لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا "یا اللہ تیرا شکر ہے میرے سات بیٹے ہیں تو نے صرف ایک لیا ہے اور باقی چھ میرے پاس رہنے دیئے۔ خود مجھے تو نے اے اللہ دو ہاتھ اور دو پاؤں دیئے تھے اور ان چار میں سے تین ابھی میرے پاس ہیں صرف ایک ہی کاٹا گیا ہے۔ اگر تو نے میری یہ پیاری چیزیں لے لی ہیں تو دی بھی تو تو نے ہی تھیں۔ آزمائش تیری طرف سے آئی ہے تو عافیت سے بھی تو نے ہی نوازے رکھا تھا۔

مذکورہ واقعات سے ویسے تو بہت سے حقائق واضح ہوتے ہیں تاہم چند ایک کی طرف اشارہ کر دینا

Marfat.com

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اولاً مومن متاعِ دنیا کے نقصان کو چنداں اہمیت نہیں دیتا۔ ثانیاً وہ متوقع بڑی مصیبت کے پیشِ نظر موجودہ مصیبت پر بآسانی صبر کر لیتا ہے۔ ثالثاً وہ اس اجر عظیم پر نگاہ رکھتا ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو اللہ کی طرف سے عطا ہو گا۔ جیسا کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ مسلمان کو جو بھی غم یا فکر لاحق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان سب پریشانیوں اور مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

ملحدین کا اعترافِ حقیقت

ایمان، انسان کو ثبات و استقامت کی جو طاقت عطا فرماتا ہے اُس کا اعتراف وہ لوگ بھی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو اپنے مادی نظاموں اور فلسفوں کے گُن گاتے نہیں تھکتے۔ متعصب اشتراکیوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ ان کا نظام دوسری عالمگیر جنگ میں لوگوں کو ڈٹ جانے اور ثابت قدمی دکھانے کا وہ مظاہرہ نہ کر سکا جو دین و ایمان نے کیا۔ چنانچہ انہیں حالات نے مجبور کر دیا کہ لوگوں کو وقتی طور پر دینِ فطرت کی طرف پلٹ جانے کی اجازت دے دیں تاکہ اُن کے باطن کا وہ خلا پر ہو سکے جسے کوئی مادی و جدلی فلسفہ پُر نہ کر سکا تھا۔

تیسرا باب

اجتماعی زندگی پر ایمان کے اثرات

Marfat.com

Marfat.com

ایمان اور حیاتِ اجتماعی

فرد اور معاشرہ کے مابین تعلق کی نوعیت خاصی پیچیدہ ہے اور کسی ایسی حد فاصل کا تعین آسان نہیں جو فرد اور معاشرہ کے حدود عمل کو واضح کر سکے اس لئے کہ جو چیز فرد پر اثر انداز ہوتی ہے وہی معاشرہ پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتی ہے اور پھر معاشرہ ہے کیا؟ افراد کے مجموعہ ہی کا تو نام ہے۔ افراد جن اعمال و اخلاق اور جس سیرت و کردار کے حامل ہوں گے معاشرہ میں بھی وہی روح جاری و ساری ہو گی۔ اس تعلق کو ہم ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں۔ دیوار، اینٹیں چن کر تعمیر کی جاتی ہے اینٹیں اگر کچی ہوں گی تو دیوار بھی ناپختہ ہو گی اور اگر اینٹیں پختہ ہوں اور انہیں ایک دوسرے سے پیوست کرنے والا مواد یعنی ریت اور سیمنٹ کی مناسب مقدار سے مرکب ہو تو دیوار بھی یقیناً پختہ ہو گی۔

پس ایک بنیانِ مرصوص کی تعمیر کا خواب اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک خوب مستحکم اور مضبوط اینٹیں موجود نہ ہوں کسی معاشرے کی تعمیر میں افراد اینٹوں کا کام دیتے ہیں گذشتہ مباحث میں ہم نے فرد کی زندگی پر ایمان کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح سے پہلے فرد کی اصلاح کا سامان کیا جائے اب اس پر ہم اتنا اضافہ اور کریں گے کہ کوئی فرد اگر انفرادی طور پر سکونِ قلب، نعمتِ ایمان اور محبت و استقامت کے اوصاف سے متصف ہو بھی جائے تو سعادت کے مرتبۂ کمال سے محروم ہی رہتا ہے۔ یہ مقام بلند ایک فرد کو حقیقتاً اُسی وقت نصیب ہوتا ہے جب پورا اجتماعی ماحول نہ صرف ان صفات کے لئے سازگار ہو بلکہ انہیں پروان چڑھانے میں ممد و معاون ہو۔

ایک اچھے معاشرے کی سب سے بڑی خوبی افراد کا باہمی ربط و ضبط ہے۔ اسی کے ذریعے افراد کے مابین محبت و یگانگت کے رشتے استوار ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے دمساز بن کر رہتے ہیں نہ کوئی کسی پر زیادتی کرتا ہے اور نہ سنگدلانہ برتاؤ۔ بہترین اور سعادت مند معاشرہ میں دولت سے بہرہ ور لوگ محروم طبقہ کو فراموش نہیں کرتے اور اثر و رسوخ اور قدرت و طاقت کے مالک کمزوروں کو نظر انداز نہیں

Marfat.com

کرتے بلکہ ان کی معاونت اور دستگیری کرتے ہیں۔

بدترین چیز جو کسی معاشرہ کو لاحق ہوتی ہے وہ انتشار و تشتت اور باہمی روابط کا فقدان ہے اور یہ صورت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد خود غرضی کا شکار ہو جائیں وہ اپنی ذات اور اپنے مفادات کو تو یاد رکھیں مگر اپنے بھائی کا مطلق خیال نہ کریں بلکہ اُسے اپنی اغراض کی بھینٹ چڑھانے سے بھی دریغ نہ کریں۔ اسی طرح وہ وقت بھی کسی معاشرہ کے لئے بہت برا وقت ہوتا ہے جب افراد اپنے حقوق کے لئے لڑیں مگر اپنے فرائض سے غافل ہوں نیز اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھیں اور دوسری مخلوقِ خدا کو بنظرِ حقارت دیکھیں اس کے برعکس دوسری چیز جو اپنی قباحت میں متذکرہ الصدر سے کسی طرح بھی کم نہیں یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے احساس ہی سے یکسر محروم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے جو شرف عطا کیا ہو، جو قوت و طاقت اُسے تفویض کی ہو اور جن انعامات سے اُسے نوازا ہو، وہ اُن کا شعور اور ادراک ہی نہ رکھتا ہو یا ان صلاحیتوں کو مہمل اور معطل کر کے بیٹھ جائے تو یہ چیز بھی انسان کی شخصیت کو نقصان پہنچاتی ہے اور انسان مستقل طور پر کمزوری و دوں ہمتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اِس بات کی ہے کہ افرادِ معاشرہ کے مذکورہ بالا دونوں انتہا پسندانہ نظریات کے درمیان ایک ایسی حدِ وسط تلاش کی جائے تاکہ افراد اپنی ذات کا احساس بھی رکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے حقوق و واجبات بھی تلف نہ ہوں یعنی معاشرہ بھی مستحکم بنیادوں پر قائم رہے اور فرد کی شخصیت کی نشوونما بھی صحیح انداز سے ہو سکے۔

ایسی حدِ وسط کا تعین کچھ اصول و ضوابط کا مقتضی ہے جن کے بغیر تعلقات و معاملات میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا، جن کے بغیر انسانی جبلت عقل کے خلاف اور قوت و طاقت حق و صداقت کے خلاف اقدام کرنے سے باز نہیں رہ سکتی اور جن کے بغیر ذاتی منفعت کا جنون اجتماعی مصالح کے پیشِ نظر اپنی حدود سے تجاوز نہ کر سکتا ہے۔ ایسے اصول و ضوابط یکسر اخلاقی بنیادیں رکھتے ہیں اور ان کا مصدر و ماخذ انسان کا قلب و ضمیر ہوتا ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم اس امر سے بحث کریں گے کہ معاشرے پر ایمان و اخلاق کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ایمان کے زیرِ اثر نشوونما پانے والے اخلاق کیونکر انسان کو ایک ایسی بلند سطح تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تک مادی اخلاق کے علمبرداروں کی رسائی کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

Marfat.com

ایمان اور اجتماعی اخلاق

"ایمانداروں میں کامل ترین ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو" (حدیثِ رسولؐ)

کیا طبیعت و جبلت انسان کی اجتماعی زندگی کی رہنمائی کیلئے کافی ہے جب ہم حیوانات کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کی زندگی کے لئے محض جبلی رہنمائی کافی ہے۔ چیونٹیوں یا شہد کی مکھیوں کو دیکھئے۔ کتنے حیرت انگیز طریقے سے یہ حشرات اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور آنے والے وقت کے لئے اس کے مناسب ذخیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں ان کا ہر فرد ایک نظم کا پابند ہوتا ہے اور اپنا اپنا فرض —— دوسرے افراد کے فرائض میں رکاوٹ پیدا کئے بغیر —— بجا لاتا ہے۔ یہی حال دوسرے جانوروں کا بھی ہے۔ پرندوں کے اڑتے ہوئے غول، ڈھور ڈنگروں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ، جنگلات میں درندوں کی منظم زندگی اور سمندروں کی تہوں میں مچھلیوں اور دوسری بے شمار انواعِ حیوانات کی اجتماعی زندگی۔ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ حیوانات کا اجتماع ان کی فطری و جبلی رہنمائی کے تابع ہوتا ہے۔

لیکن انسانوں کا معاملہ ان سے یکسر مختلف ہے۔ جبلت کے اعتبار سے حیاتِ انسانی اپنے اندر متعدد پہلو رکھتی ہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے اس کے اندر جذبۂ انانیت موجزن ہوتا ہے جو اسے اپنی ذات سے غیر معمولی محبت پر ابھارتا ہے مگر اسی جبلت کا دوسرا مظہر یہ بھی ہے کہ وہ بنی نوعِ انسان سے کٹ کر زندہ رہنا گوارا نہیں کرتا۔ ابنائے جنس کے درمیان رہ کر وہ اپنی فطری صلاحیتوں کو نشوونما دیتا ہے اور اسی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں کے لئے بڑے سے بڑا ایثار کرنے پر بھی تیار ہو جاتا ہے۔

برطانوی فلسفی برٹرینڈرسل نے کہا ہے "انسان کے جذبات و خواہشات کا معاملہ بڑا پیچیدہ ہے اور اس پیچیدگی سے نت نئی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی زندگی نہ تو صرف اجتماعی رنگ لیئے

Marfat.com

ہوئے ہے جیسے چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی زندگی اور نہ صرف انفرادی رنگ جیسے شیر ببر اور چیتے کی زندگی۔ اس کی حیات کا کچھ حصہ اجتماعیت آشنا ہے جبکہ کچھ حصہ انفرادیت پسندانہ۔ اس کی طبیعت میں حیاتِ اجتماعیہ کی میلان کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ خلوت و تنہائی کو لمبا اوقات انسان ایک شدید عقوبت خیال کرتا ہے۔ دوسری طرف زندگی کا انفرادی رنگ بھی اسے محبوب ہوتا ہے جب بعض خاص امور و مفادات اس کے داعی ہوں۔ بنا بریں ہمیں کچھ اخلاقی حدود و قیود وضع کرنے ہوں گے تاکہ تصرف و اختیار کے دوائر متعین ہو سکیں"۔

آپ کا کیا خیال ہے۔ اخلاق کے وہ صحیح حدود و قیود اور قواعد و ضوابط کون وضع کر سکتا ہے؟ اور کیا چیز ٹھیک ٹھیک ان کے مطابق حیاتِ انسانی کی گاڑی کو چلا سکتی ہے؟ کیا یہ کام قانون کر سکتا ہے یا کوئی فلسفۂ اخلاق؟ یا پھر دین و ایمان؟ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان تینوں کی حقیقت پہ کچھ روشنی ڈالیں

تنہا قانون انسانی زندگی کو منضبط نہیں کر سکتا

اس میں کچھ شک نہیں کہ قانون ایک طاقت ہے اور اجتماعی زندگی کا نظام چلانے کے لئے ناگزیر ہے لیکن انسانی زندگی پہ پوری طرح یہ اس لئے حاوی نہیں کہ اس کا تعلق صرف ظاہر سے ہوتا ہے باطن سے نہیں نیز یہ امورِ عامہ سے بحث کرتا ہے اور خاص حالات کا اس میں لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پھر قانون میں یہ سقم بھی ہے کہ وہ مجرم کو سزا دیتا ہے۔ مگر محسن اور نکوکار کے صلہ کا کوئی اہتمام نہیں کرتا علاوہ ازیں قانون کی گرفت سے لوگ حیلے بہانے کے ذریعے بچ جاتے ہیں، اور قانون میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ مجرمانہ ذہنیت کا کماحقہ تعاقب کر سکے پس جب جرم کے سدِ باب میں قانون عاجز سا نظر آتا ہے تو عملِ صالح اور امورِ خیر و فلاح کی ترغیب میں تو اس کا عجز اور بھی نمایاں ہونا چاہئے

قانون میں عدل و انصاف اور حق و صداقت سے زیادہ سے زیادہ مطابقت پیدا کرنے کے باوجود اس میں ایسی کوئی ذاتی قوت پیدا نہیں ہوتی جو لوگوں سے اس کی پابندی کرا سکے الا یہ کہ حکومت کی طاقت اس کے پیچھے ہو اور جہاں تک حکومت کی طاقت کا سوال ہے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یہ ہر حال میں ظلم کے استیصال اور عدل کے فروغ دینے کے لئے ہی کوشاں رہے گی کیونکہ اربابِ حکومت بھی انسان ہی ہوتے ہیں، جنہیں نشۂ حکمرانی اکثر و بیشتر راہِ راست سے بھٹکا دیتا ہے۔ چنانچہ جب وہ قانون سازی کرتے ہیں تو اپنے مفادات کو تحفظ دیتے ہیں اور اپنے خیالات و مفادات کو اس میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ کوئی انسان بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ زندگی کے جملہ پہلوؤں پہ اس کی

Marfat.com

نظر پوری جامعیت کے ساتھ پڑتی ہو۔ اس کے خیالات ونظریات تمام تر صحیح اور حقائق پر مبنی ہوں اور اپنی خواہشات ومفادات سے بے تعلق رہتے ہوئے وہ مکمل غیر جانبداری کے ساتھ قانون وضع کر سکے۔ پس جو قانون یہ بنیادی کمزوریاں اپنے اندر رکھتا ہو کون انسان اور کون معاشرہ اس پر مطمئن ہو سکتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو اس کے تسلط میں دینے کے لئے تیار بھی۔

فلسفۂ اخلاق بھی کافی نہیں یہی حال فلسفۂ اخلاق کا بھی ہے۔ کوئی اخلاقی فلسفہ معدودے چند افراد کو تو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے پورے معاشرے کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فلسفی کا اپنا فلسفۂ اخلاق ہوتا ہے۔ اب لوگ کس کی پیروی کریں پھر سوال یہ ہے کہ ان میں سے کسی فلسفہ کے پیرو کی جزا کیا ہے؟ کیا عقل و دل اسی پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یا وہ محض ایک سراب ہے جسے پانی سمجھ کر پیاسا اس کی طرف لپکتا ہے۔ اُس نامعلوم سپاہی کی کیا جزا ہے جو سب کی خدمت کے لئے کام کرتا ہے حالانکہ اسے نہ کوئی دیکھتا ہے نہ جانتا ہے اور اسے بدلہ دینے کی کسی کو فکر نہیں اپنی قوم اور اپنے خاندان کے لئے جان کی قربانی پیش کرنے والے کی کیا جزا ہے جو ان کا دفاع کرتے ہوئے لڑتا اور مظلومیت کی موت مرتا ہے۔ یہاں جس راحتِ ضمیر کا فلسفۂ اخلاق کے علمبردار ذکر کرتے ہیں اس کا کوئی وجود بھی ہے؟ دوسری طرف ساری عمر ظلم وستم روا رکھنے والے کی کیا سزا ہے؟ اور وہ جو دل کی معمولی کھٹک کے بغیر من مانیاں کرتا ہے اس کے لئے اس بے قید اور بے لگام زندگی پر کوئی تعزیر بھی ہے؟

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں جس چیز کو مسترد کیا ہے وہ فلسفیوں کے تصوّراتِ اخلاق ہیں لیکن جہاں تک دین و مذہب کے بیان کردہ محاسنِ اخلاق کا تعلق ہے اُن کی اہمیّت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ وہ ترقی یافتہ فرد کی بنیاد اور مہذب معاشرے کی جان ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر زندگی زندگی نہیں رہتی۔ قرآن میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ جو تعریف کی گئی ہے اس کی بنیاد یہی اخلاق ہے۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور خود رسولِ پاک نے اپنے پیغامِ ہدائیت کو چند الفاظ میں یوں سمویا ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ — میرا مقصدِ بعثت یہ ہے کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں

ایک اور حدیثِ نبوی میں ہے۔

Marfat.com

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا — اہلِ ایمان میں سب سے زیادہ مکمل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

ان آیات و احادیث سے دین میں اخلاق کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

دین، اخلاق کی طرف محض دعوت دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اخلاق کی بنیاد پر اصول و ضوابط وضع کرتا ہے۔ حدودِ اخلاق کی نشاندہی کرتا ہے۔ زندگی کی جزئیات تک کے لئے اخلاقی نمونوں کے انبار لگا دیتا ہے اور ان پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسے اصولِ اخلاق سے انحراف قطعاً گوارا نہیں ہوتا۔ وہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ انحراف کروگے تو دنیا و آخرت میں یہ سزا ملے گی، اور اصولِ اخلاق کی پاسداری پر دونوں جہانوں میں یہ جزا ملے گی اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ دین کے بغیر تکمیلِ اخلاق ممکن نہیں اور اخلاق کے بغیر کسی قانون کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

عقیدہ و ایمان معاشرتی و اجتماعی زندگی کے لئے جن اصولِ اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے گذشتہ سطور میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ نہ تو انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں ملتے ہیں اور نہ فلاسفہ کی پیچ پیچ بحثیں ان تک رہنمائی کرتی ہیں ان کا سراغ اگر کہیں ملتا ہے تو دامنِ ایمان میں ملتا ہے۔ ایمان اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ حیاتِ دنیا کا مقصود خواہشاتِ نفس کی تکمیل نہیں ہے نہ شکم پروری اور لذتِ کام و دہن کا حصول، انسانی زندگی کی غائیت ہے۔ کسی قسم کے تعصب کو بھی وہ انسان کا نصب العین نہیں بننے دیتا اور مکر و فریب اور فتنہ و فساد کی آلائشوں سے بھی انسانی زندگی کو پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ ایمان جو مقصدِ حیات انسان کے سامنے رکھتا ہے۔ وہ نہایت ارفع و اعلیٰ مقصد ہے یعنی اللہ سے قریب ہونا، اس کے ضابطوں کی پابندی کرنا اور اس کی خوشنودی کے لئے تگ و دو کرنا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ

لوگوں کے لئے مرغوباتِ نفس — عورتیں، بیٹے سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب سامان دنیا کی چند روزہ زندگی کے ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے

Marfat.com

الْأَلْبَابِ ۝ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝

سورۃ آلِ عمران - ۱۴ تا ۱۷

پاس ہے - کہو : میں تمہیں بتلاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے - جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی - پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے - اللہ اپنے بندوں کے رویّے پر گہری نظر رکھتا ہے - یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں مالک ہم ایمان لائے ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتشِ دوزخ سے بچالے - یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں - راستباز ہیں فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں -

ان آیات میں جن اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے وہ در اصل ثمرات ہیں اس اخلاق کے جو ایمان کے زیرِ اثر نشو و نما پاتا ہے اور جس سے مسلم معاشرہ کا ہر فرد متصف ہوتا ہے - پس محاسنِ اخلاق سے ہر فرد کا مزیّن ہونا گویا بہترین معاشرہ کی بنیادوں کا مضبوط و مستحکم ہونا ہے -

اخلاقِ الٰہی کو اپنے اندر پیدا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان مقامِ الوہیت پر فائز ہو سکے یہ چیز نہ مطلوب ہے نہ ممکن - مقصود صرف یہ ہے کہ انسان حیوانیت کی سطح سے بلند ہو جائے اور حضرت حق کے مبدأ فیض سے اخذ و استفادہ کی مسلسل کوشش کرتا رہے - اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں انسان کو بھی چاہیئے کہ علم و حکمت کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھرنے کی کوشش کرے - اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہیں انسان بھی اپنے اندر جذبۂ رأفت و رحمت پیدا کرے - اللہ تعالیٰ غنی و کریم ہیں انسان بھی اپنی طاقت کے مطابق غنیٰ و کرم کے اوصاف سے متصف ہو - اللہ صبور و حلیم ہیں - انسان بھی مقدور بھر حلم و صبر سے کام لے - اللہ تعالیٰ جبار و متکبر ہیں انسان بھی طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں گھمنڈ اور

Marfat.com

دوں ہمت ثابت نہ ہو اور دنی الاخلاق اور بداعمال قسم کے لوگوں سے مرعوب و متاثر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بڑا زبردست اور انتہائی سخت گیر ہے۔ انسان کو بھی چاہیئے کہ وہ کفار و مشرکین کے لئے بڑا شدید اور مفسدین کی راہ روکنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ شکر کی قدر کرنیوالے اور خطا کاروں کو معاف فرمانے والے ہیں انسان کا بھی کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ حسن سلوک کرنے والوں کا قدر داں ہو اور معذرت چاہنے والوں سے درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ کبھی راہ راست سے انحراف نہیں فرماتے انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ ہمیشہ جادہ مستقیم پر گامزن رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت شان کمال رکھتی ہے اور وہ ذات ہر عیب سے پاک اور ہر نقص سے منزہ ہے۔ لہذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی کو نقائص اور عیوب سے پاک کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے۔

اب فرمایئے کہ جس معاشرے کے افراد کے سامنے یہ اخلاقِ الٰہی ہوں کیا ان کے اندر کوئی خرابی یا بگاڑ رونما ہو سکتا ہے۔ اور کیا ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جو نورِ حق سے منور نہ ہو اور نفوس و طبائع انسانی کے لئے اخلاق الٰہیہ سے زیادہ موثر کوئی اور چیز بھی ہے جس کی تاثیر کی انہیں حاجت ہو اور جس کے لئے انہیں دائرہ دین و ایمان سے باہر قدم رکھنا پڑے؟ ظاہر ہے کہ ایسی کسی چیز کا انفس و آفاق میں کہیں وجود نہیں۔

Marfat.com

سروسامانِ حیات کی محبت

اور اجتماعی اخلاق پر اس کے مضر اثرات

دنیا کے ناپائیدار فوائد کے لئے بھائی بھائی پر ظلم و ستم کرتا ہے بیٹا، باپ کا گلا کاٹ دیتا ہے امانت میں خیانت کی جاتی ہے اور عہد و پیمان توڑ دیے جاتے ہیں متاعِ دنیا وہ چیز ہے جس نے انسانوں کو حدودِ انسانیت سے تجاوز پر اکسایا، چوری اور ڈاکہ زنی پر ابھارا اور انسانی معاشرہ کچھ ایسی شکل اختیار کر گیا جیسے درندوں کی بستی ہو۔ تجار دھوکا فریب کرتے ہیں۔ امراء اور رؤسا سرکشی پر اُتر آتے ہیں اور قضاۃ و حکام رشوتیں لیتے ہیں اور راہِ حق و صواب سے انحراف کرتے ہیں۔ اہلِ علم کتمانِ حق کرتے ہیں مفتیانِ کرام غلط فتاویٰ صادر فرماتے ہیں۔ اہلِ قلم کذب و افتراء کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ شعراء اشراف کی ہجو پر اتر آتے ہیں۔ ان سارے مذموم اعمال کا محرک کیا ہوتا ہے؟ صرف ایک چیز۔ دنیا اور اس کے فوائد و منافع اور یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور نہ یوم حساب پہ ایمان رکھتے ہیں دوسرے لفظوں میں جو عقیدہ و ایمان سے عاری ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کا ایک مکالمہ نقل فرمایا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غلط کار لوگوں کو اعمالِ خیر کی توفیق نہ ملنے اور اعمالِ شر ہی میں منہمک رہنے کی وجہ فقط ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا فقدان ہے۔ اہلِ ایمان جنت میں داخل ہونے کے بعد، عذابِ دوزخ میں مبتلا لوگوں سے سوال کریں گے۔ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝

تمہیں دوزخ میں کس چیز نے داخل کیا۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ (مدثر۔ ۴۲-۴۶)

وہ جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور ہم مساکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے نیز ہم خدا و رسول کی تعلیمات پہ نکتہ چینی کرنے والوں کے ساتھ مل کر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور

Marfat.com

ہم روزِ جزا کی تکذیب کیا کرتے تھے۔

اسی طرح فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ (قصص: ۳۹)

زمین میں خود فرعون بڑا بنا اور اس کے لشکروں نے بھی ناحق تکبر کیا اور ان کا گمان تھا کہ وہ (مرنے) کے بعد ہماری طرف نہیں پلٹیں گے۔

مقصود یہ ہے کہ دنیوی سازو سامان کے حصول کی طرف انسان بہت شدید میلان رکھتا ہے، اور اسی کام میں بسا اوقات ساری عمر گنوا دیتا ہے اور خدا و یوم آخرت کبھی کا بھی خوف اس کے دل کے قریب نہیں پھٹکتا اس دلدل سے انسان کو اگر کوئی قوت نکال سکتی ہے تو وہ عقیدہ و ایمان کی قوت ہے جہاں یہ قوت مفقود ہو گئی یا ضعف و اضمحلال کا شکار ہوئی تو وہیں سے انسان بے لگام ہو کر ایسی حرکات کا مرتکب ہونا شروع ہو جاتا ہے جو انفرادی و اجتماعی زندگی کا ستیاناس کر دیتی ہیں۔

فرعون کے فساد فی الارض کی وجہ کیا تھی؟ یہی کہ وہ یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کر چکا ہوتا کہ موت کے بعد مجھے ایک علیم و خبیر خدا کے روبرو اپنے ہر عمل کی جواب دہی کرنی ہے تو وہ کبھی ظلم و ستم نہ کرتا اور آتش دوزخ کے مہیب شعلوں میں سڑنے والوں نے کس بات کا اعتراف کیا اور اعمالِ خیر سے تہی دامن ہونے کی کیا وجہ بیان کی؟ صرف یہی کہ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ہم روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے کیونکہ روزِ جزا کی تصدیق کا عقیدہ ہی تو وہ قوت تھی جو انہیں ترغیب حسنات بھی دیتی اور ارتکاب سیئات سے باز بھی رکھ سکتی تھی۔

دوسری طرف دیکھیے سروسامانِ دنیا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ آپؐ کے پہلوئے مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں کیا اس سے زیادہ نرم و نفیس بچھونا نہ مہیا کر دیا جائے۔ جواب رسالتمآب سنیئے اور ایمان کے اُن گہرے اثرات کا اندازہ کیجئے جو حیاتِ انسانی پر مرتب ہو کر رہتے ہیں "مجھے سروسامانِ دنیا سے کیا واسطہ میری اور دنیا کی مثال تو ایسے ہے جیسے کوئی مسافر دن کی گرمی میں چلتا رہے اور کبھی سایہ دار درخت کے نیچے پل بھر کے لئے ٹھہرے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دے اور یہ دیکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخاطب دنیا ہے جو حسین و جمیل دوشیزہ کا روپ دھارے سامنے کھڑی ہے۔ اور نظر کو فریب

Marfat.com

دینے والی جا کسی اور کو فریب دے مجھ سے تعرض کرتی ہے؟ یا میری طرف میلان رکھتی ہے؟ میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ اب رجوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کون بول رہا ہے؟ ابن ابی طالب نہیں جذبۂ ایمان سے سرشار علی مرتضیٰ بول رہے ہیں۔ اُن کا ایمان بول رہا ہے جس کا نصب العین مال و متاع دنیا نہیں اس سے بہت بلند و برتر، بہت عظیم و جلیل اور بہت بیش قیمت انعاماتِ خداوندی ہیں۔

مالاعین رأت ولا اذن سمعت وماخطر بقلب بشر۔

پس ایمان ہی وہ منفرد جوہر ہے جو مومن کے اندر ترغیباتِ دنیا کو ٹھکرانے کی تاب و تواں پیدا کرتا ہے۔ اس کے دل کو اس یقین سے معمور کر دیتا ہے کہ اللہ کے نزدیک روئے ارض کی ساری دولت بھی مچھر کے پَر کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھتی وہ اسے دنیا کا غلام نہیں بننے دیتا لیکن یہ بات واضح رہے کہ ایمان سروسامان دنیا کے استعمال و استمتاع سے نہیں روکتا بلکہ وہ کہتا ہے اس کو مقصودِ اصلی نہ سمجھو غایت الغایات نہ قرار دو اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان و اخلاق کا مقابلہ کرنا تو در کنار، مادی سروسامان اور دنیوی لذائذ و منافع کے اندر اتنی سکت بھی نہیں کہ وہ اس کا سامنا ہی کر سکیں۔

طبیعت و جبلت کی قوت اور ایمان کی قوت

معاشرہ کو سعادت کے مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لئے جن اصول و اخلاق کی ضرورت ہے ان میں سے ایک کا اثبات ہو چکا یعنی مال و متاع دنیا کی تحصیل کو اصلی اور حقیقی نصب العین نہ بنایا جائے اور اسے کبھی یہ حیثیت نہ دی جائے کہ دین و ایمان کے تقاضے مجروح ہونے لگیں اس کے بعد ہم یہ گذارش کریں گے کہ دوسری چیز جسے افرادِ معاشرہ کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے وہ جبلی و فطری داعیات پر ضبط ہے۔ ان داعیات میں سب سے طاقتور داعیہ جنس کا ہے جس کو عام حالات میں بھی قابو میں رکھنا بڑا دشوار ہے لیکن ایام شباب میں تو خاص طور پر یہ تمام حدود سے تجاوز کر جانا چاہتا ہے۔ اس عالم میں نہ اسے کسی قانون کا پاس ہوتا ہے نہ کسی فلسفی کے افکار و نظریات سے کوئی واسطہ یہ حدود و قیود نا آشنا داعیہ اگر کسی قوت کی مزاحمت کے آگے بے بس ہوتا ہے تو وہ ایمان کی قوت ہے۔ حضرت یوسف علی نبینا و علیہ السلام نوجوان ہی تو تھے اس پر مستزاد یہ کہ ایسے ماحول میں پہنچا دیئے گئے جہاں داعیۂ جنسی کی تسکین کے سارے سامان موجود تھے ایک منصب جمال سے بہرہ ور خاتون خود دعوتِ گناہ دے رہی تھی وہ خاتون جو حاکمِ وقت کی اہلیہ تھی۔ ذی اقتدار ذی شان اور ان کی مالکہ اور یہ اس کے غلام مجبور دونوں تنہا تھے۔ قانون کی نظر سے مستور۔ اور

Marfat.com

لوگوں کی دسترس سے دور۔ غور فرمائیے اس وقت کیا چیز سیدنا یوسف کی مدد و معاون بنی جس نے خود ان کے داعیہ جنسی کو بھی ضبط میں رکھا اور اس مشتعل خاتون کی بھی پوری قوت کے ساتھ مزاحمت کی۔ یہ صرف ایمان تھا۔ خدا کے حاضر ناظر ہونے پر ایمان۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اللہ کے محاسبہ و مواخذہ پر ایمان۔ اور اس بات پر ایمان کہ اپنے داعیۂ جنسی کی تسکین کی یہ صورت حرام ہے اور خدا کے غضب کو دعوت دینے والی اور اس کی رحمت سے دور کر دینے والی ہے۔ یہ سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر تھا جو خدا کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء و رسل غیر معمولی اوصاف کے حامل ہوتے ہیں تو آیئے ایک عام عورت کا واقعہ سنیئے۔ حضرت عمر کا عہد خلافت تھا۔ آپ رات کو عامۃ المسلمین کے حالات معلوم کرنے کی غرض سے گشت کر رہے تھے۔ ایک مکان کے پاس سے گزرتے وقت آنجناب نے سنا ایک عورت پُر سوز آواز میں گا رہی تھی۔ اس کے لئے اپنے شوہر کی جدائی ناقابل برداشت ہو رہی تھی جو مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں پر جہاد و قتال میں مصروف تھا اور کئی مہینوں سے گھر نہیں آ سکا تھا۔ نوجوان دوشیزہ کے جذبات اشعار کی صورت میں اُبل پڑے تھے۔

لَقَدْ طَالَ هٰذَا اللَّيْلُ وَاسْوَدَّ جَانِبُهٗ ۔۔۔ وَأَرَّقَنِي أَن لَّا حَبِيبَ أُلَاعِبُهٗ

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ تُخْشٰى عَوَاقِبُهٗ ۔۔۔ لَحُرِّكَ مِنْ هٰذَا السَّرِيْرِ جَوَانِبُهٗ

رات تاریک اور طویل ہو گئی ہے اور میری نیند غائب ہو چکی ہے کیونکہ کوئی محبوب نہیں جس کے ساتھ میں دل بہلاؤں خدا کی قسم اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا اور اس کے احکام کی نافرمانی کے نتائج و عواقب کا خوف نہ ہوتا تو اس پلنگ کے اطراف و جوانب کو ہلا ڈالا جاتا۔

داعیۂ جنس کی طرح جبلی طور پر انسان میں ایک اور زور دار داعیہ غضب و انتقام کا بھی موجود ہوتا ہے جو بسا اوقات اتنی شدت اختیار کر جاتا ہے کہ مغلوب الغضب انسان پر وحشی اور درندے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ داعیۂ غضب جب زور پکڑتا ہے تو وہاں نہ کسی قانون کا بس چلتا ہے نہ کوئی فلسفۂ اخلاق کام آتا ہے۔ معمولی باتوں پر لوگ جھگڑ پڑتے ہیں اور آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ نتیجۃً قتل و غارتگری کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں تصادم کی بے شمار صورتیں جو آئے دن پیدا ہوتی رہتی ہیں ان کے پیچھے کیا محرک کارفرما ہوتا ہے۔ یہی داعیۂ غضب اس شعلۂ جوالہ کی حدت کو کم کرنے والی اور بالآخر اسے ٹھنڈا کر کے رکھ دینے والی چیز ایمان کے سوا اور کوئی نہیں ایمان آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ غصہ کو تھوک دے

Marfat.com

زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے جہالت کے برتاؤ پر صبر و حلم سے کام لے بلکہ برا سلوک کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی کی۔ ایک کی قربانی قبول ہو گئی جبکہ دوسرے کی قربانی نامقبول ٹھہری۔ اس پر مؤخر الذکر بیٹا غصہ میں آ گیا اور مشتعل ہو کر کہنے لگا لَاَقْتُلَنَّكَ "میں تجھے قتل کر کے دم لوں گا۔ مگر صاحب ایمان بیٹا اشتعال کے جواب میں گرمی نہیں دکھاتا بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ کہتا ہے:۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ لَئِنْۢ	اللہ تو اہلِ تقویٰ ہی کی نذریں قبول کرتا ہے
بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا	اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں
بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ	تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا میں اللہ
اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ المائدہ ۲۸	رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العالمین سے ڈرنے والے کبھی کسی کے درپے آزار نہیں ہوتے نہ غیظ و غضب کے عالم میں حد سے تجاوز کرتے ہیں کسی کے خلاف ظلم و زیادتی کرنے سے انہیں خوفِ خدا روکے رکھتا ہے چاہے جبلی داعیات کا اقتضا کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "خدا سے ڈرنے والے لوگ اپنے غیظ و غضب کی تسکین کا سامان نہیں کرتے جو جی میں آتا ہے اسے کر گزرنے سے انہیں خوفِ خدا مانع ہوتا ہے اور اگر یوم قیامت نہ ہوتا تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا جو تم دیکھ رہے ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ایک آدمی ہمکلام ہوا اور آنجناب سے نہایت بری طرح پیش آیا حتیٰ کہ آپ غضبناک ہو گئے۔ آپ اُس وقت امیر المومنین تھے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اسے درست کر دیا جائے لیکن بعد ازاں رک گئے اور اس آدمی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے "تمہاری کوشش تو تھی کہ میرے اندر کا شیطان نشۂ اقتدار کے زیر اثر مجھے بھڑکاتا اور میں تمہاری خوب خبر لیتا جس کی پاداش میں کل قیامت کے دن تم میرا دامن پکڑ لیتے لیکن اب جاؤ اللہ تمہیں معاف کرے میں تمہارے ساتھ مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا"۔

پس ثابت ہوا کہ ایک سعادت مند معاشرہ کے افراد کو اخلاق کے اس بلند مقام پر فائز ہونا چاہیے جہاں جبلی داعیات ایمان کی بالادستی کو قبول کر لیتے ہیں اور خود کو مکمل طور پر اس کی تحویل میں دے کر فخر محسوس کرتے ہیں۔

ایمان، انانیت کو فطری حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ | انانیت یا اپنی ذات سے محبت ایک فطری

امر ہے اور کوئی فرد بھی اس سے خالی نہیں۔ اپنی انا کی برتری اور اپنی ذات کے وقار کا سوال عام طور پر انسانوں کے نزدیک زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ اور اہم سوال بن جاتا ہے۔ اپنا بول بالا رکھنے کے لئے، اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے اور اپنی عزت و اقتدار کا بھرم قائم کرنے کے لئے جذبہ انانیت خاص طور پر ابھرتا ہے اور معاشرتی زندگی میں خصومت و نزاع کے سینکڑوں بیج بو جاتا ہے۔ اس جذبہ فاسد نے کتنے خاندانوں کی عزت خاک میں ملا دی، کتنے قبیلوں کو آپس میں لڑوا دیا اور کتنی قوموں کو برسوں متحارب رکھا۔ انسانی تاریخ میں یہ پورا ریکارڈ دیکھا جا سکتا ہے۔

اس جنون میں جب کوئی فرد یا معاشرہ مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر کم ہی کوئی چیز اس پر اثر انداز ہوتی ہے ہوا کے گھوڑے پر جب انانیت زدہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور پندار نفس اسے برابر مہمیز لگاتا ہے تو اس وقت کوئی ضابطہ، کوئی قانون اور ہوش و خرد کی کوئی مقدار بھی اسے زنجیر پا نہیں کر سکتی ایمان کی لگام البتہ ایک ایسی چیز ہے جو اس کی سرکشی کو دور کر سکتی ہے۔ ایمان سب سے پہلے انسان کو اس کی حقیقت سمجھاتا ہے تاکہ اپنے بارے میں وہ کبھی غلط فہمی کا شکار نہ ہونے پائے اس طرح وہ اس جڑ ہی کو کاٹ دیتا ہے جہاں سے شاخ انانیت **غذا حاصل کرتی** رہتی ہے۔ دین و ایمان کی رو سے انسان اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ کے سہارے زندہ ہے اس کی تمام صلاحیتیں اور استعدادیں اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ کوئی ایک چیز بھی اس کی اپنی نہیں نہ اس کا رزق اس کے بس میں ہے نہ زندگی نہ موت نہ عزت اور ذلت کا یہ مالک ہے نہ حکومت و اقتدار اس کی ذاتی شئے ہے۔ توفیق الٰہی کے بغیر یہ دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ کوئی کام تو درکنار اس کے لئے ایک تنکے کو بھی زمین سے اٹھانا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک سانس بطور خود لے لینا ایک بات تک کر سکنا اس کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ جب انسان کی اوقات یہ ہے اور اس اوقات کا شعور بھی وہ رکھتا ہو تو انانیت کا غلط جذبہ اس کے دل میں کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اگر کسی نہ کسی طرح پیدا ہو جائے تو خدا پر ایمان، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر ایمان اسے معطل اور مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔

اُم المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس دو آدمی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے۔ وہ میراث کے بارے میں جھگڑ رہے تھے ہر ایک کی زبان پر تھا ہذا حقی (یہ میرا حق ہے) مگر ثبوت کسی کے پاس نہ تھا تاہم دوسرے کے حق کا

Marfat.com

انکار بڑی شدومد سے کر رہے تھے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ کر لیا کہ بات کچھ بھی نہیں ان میں سے ہر ایک کے اندر انانیت بول رہی ہے۔ آپؐ نے ان کے دل و دماغ کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے میرے پاس آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ چرب زبان ہو اور اپنے مؤقف کو بہتر طریقے سے بیان کر دے تو میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں لیکن یاد رہے کہ جس کو میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ حصہ دے دیا وہ آگ کا ٹکڑا ہوگا اسے چاہیئے کہ دوسرے کے حق کو قبول نہ کرے۔" جھگڑنے والوں نے جب یہ کلماتِ تنبیہ سنے تو ان کے اندر کا جذبۂ خشیتِ الٰہی پیدا ہو گیا اور فکرِ آخرت دامنگیر ہو گئی۔ دونوں رو پڑے اور ہر ایک دوسرے کو کہنے لگا۔ میرا حق بھی آپ لے لیں میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اس پہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب جب تم اس طرح سے سوچنے لگے ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس ورثہ کو آپس میں تقسیم کر لو اور اپنا اپنا حق لے لو اور تقسیم کرتے وقت اگر کسی کے حق میں سے کچھ دوسرے کے حصے میں جانے کا احتمال ہو تو درگزر سے کام لو اور ہر ایک دوسرے پر اسے مباح قرار دیدے۔

غور فرمایئے کہ یہ نزاع جو سراسر انانیت کی پیداوار تھی۔ کس چیز کی بدولت ختم ہوئی۔ ایمان اور صرف ایمان کی بدولت۔ ایمان انا کے بت کو پاش پاش کرنے کے ساتھ آدمی کے اندر عفاف اور زہد و ایثار کے اوصاف بھی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ دوسرے کے حق سے دستبردار تو ہوتا ہی ہے اپنے حق کو بھی دوسرے کی جھولی میں بخوشی ڈال دینا چاہتا ہے۔ رسولِ پاکؐ نے دو ایمانداروں کا قصہ بیان فرمایا۔ ایک نے دوسرے سے زمین خریدی۔ خریدار کو بعد میں زمین سے ایک مٹکا ملا جس میں سونا تھا۔ اس نے زمین فروخت کرنے والے کے سامنے سونے سے بھرا ہوا مٹکا رکھتے ہوئے کہا۔ اپنا سونا لے لیجئے میں نے آپ سے زمین خریدی تھی یہ سونا نہیں۔ دوسرا آدمی جو دولتِ ایمان سے مالامال تھا گویا ہوا میں نے زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ رسولِ پاکؐ نے فرمایا بعد ازاں وہ دونوں ایک تیسرے آدمی کے پاس بغرضِ فیصلہ گئے اس نے ان سے پوچھا تم صاحبِ اولاد ہو؟ ایک نے جواب دیا میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرا بولا میری ایک لڑکی ہے فیصلہ کرنے والے نے کہا۔ دونوں کا آپس میں نکاح کر دو اور اس سونے کو مصرف میں لاؤ۔ پھر جو بچ رہے اسے صدقہ کر دینا۔ اس طرح دنیا کے سامنے یہ

Marfat.com

عجیب منظر آیا کہ سونے کا ڈھیر سامنے تھا مگر دونوں میں سے کوئی بھی اس کا طلبگار نہ تھا۔ ہر ایک اس سے بچنا چاہتا تھا اور ساتھی سے کہہ رہا تھا یہ تیرا ہے۔ حالانکہ ایسے مواقع پہ لوگ کہا کرتے ہیں۔ یہ میرا ہے، صرف میرا۔ انانیت کا اس درجہ استیصال اور زہد و ایثار کا یہ کمال کسی معاشرہ کے افراد میں اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اُس اخلاق سے متخلق ہوں جسے ایمان جنم دیتا ہے۔

Marfat.com

اِنسان پہ عادات و میلانات کا تسلّط

انسان لبسا اوقات اپنی عادات کا بھی غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ بلکہ بعض محققین کا کہنا ہے کہ انسان پیدا بھی غلام ہوتا ہے اور مرتا بھی غلام ہے۔ پیدائش کے وقت اسے قمیص پہنائی جاتی ہے تو وفات کے وقت کفن"۔ یعنی مہد سے لے کر لحد تک وہ عادات و روایات کا اسیر ہوتا ہے۔ بعض فلاسفہ نے عادت کو طبیعتِ ثانیہ قرار دیا ہے کیونکہ انسان پر اس کی گرفت بھی قریب قریب اُسی نوعیّت کی ہوتی ہے جتنی طبیعت اُولیٰ یعنی فطرتِ اِنسانی کی اور جس سے انسان انحراف نہیں کرتا، آنکھ دیکھتی ہے کان سنتے ہیں، معدہ خوراک ہضم کرتا ہے۔ ہاتھ حرکت و عمل کرتے ہیں اور ٹانگیں چلنے کا کام دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ اعضائے جسمانی کی عین فطرت ہے۔ اِسی طرح انسان کا عمل پیدائش اور آباؤ اجداد کے اخلاق و اطوار کا ورثہ میں منتقل ہونا بھی اقتضائے فطرت ہے۔ سالہا سال سے جن میلانات و رجحانات اور جن عادات کا کسی خاندان یا معاشرہ میں چلن رہے اِن سے گلو خلاصی کرالینا آسان نہیں ہوتا۔ اِن میں سے بہت سی چیزوں کی قباحت بھی انسان پہ واضح ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اس کی زندگی کا جزو لاینفک بنی رہتی ہیں۔

شراب نوشی کس کے نزدیک پسندیدہ فعل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کے نزدیک بھی نہیں لیکن پھر یہ کیا بات ہے کہ ؎ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ ظالم لگی ہوئی ؎ جواری جوا کھیلتا ہے اور چور چوری کرتا ہے اور مسلسل کئے چلا جاتا ہے۔ اسے سزا بھی ملتی ہے۔ مگر بار بار سزا بھگتنے کے باوجود وہ باز نہیں آتا۔ زانی زنا کرتا ہے۔ وہ اس فعل حرام کو حرام اور انتہائی قبیح سمجھتا ہے اور اپنی اولاد کو اس کے قریب بھی نہیں جانے دینا چاہتا۔ مگر خود اسے جو لت پڑ چکی ہے وہ چھوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ کیوں؟ صرف اس لیئے کہ وہ عادی مجرم ہے اور عادت بڑا گہرا تسلط اس پہ جمائے ہوئے ہے۔

یہ تو افراد کی بات تھی معاشرے کا معاملہ بھی اِس سے مختلف نہیں۔ امریکہ کتنا تعلیم یافتہ ملک ہے

Marfat.com

اس ملک کے عوام اور اربابِ حکومت دونوں نے شراب کے تباہ کن اثرات کو محسوس کرنے کے بعد اس کا سدِ باب کرنا چاہا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں عوام کے منتخب نمائندوں نے ایک قانون پاس کیا جس کی رُو سے امریکہ میں شراب حرام کر دی گئی۔ اس قانون پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کرانے کے لئے پوری حکومتی مشینری حرکت میں آگئی۔ بحری بیڑے میں فوج تعینات کی گئی تاکہ شرابی حدودِ مملکت سے باہر جا کر شغل شراب نہ کر سکیں۔ فضائیہ کے سپرد فضائی نگرانی کا کام کیا گیا۔ ریڈیو، اخبارات، رسالے اور کتابیں اور دیگر اشاعتی مواد کے ذریعے شراب کی مذمت کی جانے لگی۔ شراب سے نفرت دلانے کے لئے تقریریں کی جاتی رہیں تصویریں چھاپی گئیں اور سینماؤں میں اس موضوع سے متعلق فلمیں دکھائی جانے لگیں اور متواتر چودہ برس تک یہ مہم چلتی رہی اور حکومت امریکہ نے اس مقصد کے لئے کروڑوں ڈالر صرف کر ڈالے لاکھوں افراد کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ ہزاروں لوگوں کو جرمانے کئے گئے اور کوئی تین سو کے لگ بھگ افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر ان ساری تدابیر کے باوجود امریکی معاشرے کی شراب سے وابستگی کم نہ ہوئی بلکہ اس میں کچھ اضافہ ہی ہوا اور لوگ سو طرح کے حیلے بہانے کر کے قانون کا منہ بھی چڑاتے اور شوقِ شراب بھی پورا کرتے۔ بالآخر حکومت نے مجبور ہو کر ۱۹۳۳ء میں تحریم شراب کے قانون کو منسوخ کر ڈالا۔ یہ کس کی فتح تھی؟ عادت کی۔ امریکی معاشرے کی اس عادت کے آگے قانون کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ آیئے ذرا سوچیں کہ اجتماعی عادات و رجحانات کا تسلط معاشرے سے ختم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ممکن ہے تو کس طرح؟

ایمان کو ہر چیز پر بالادستی حاصل ہے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ معاشرہ کو حقیقی سعادت سے ہم کنار کرنے کے لئے اُن اصولِ اخلاق پر عمل پیرا ہونا ناگزیر ہے جو دین و ایمان سے اخذ کئے گئے ہوں اور تمام معاشرتی برائیوں کا انسداد بھی کما حقہٗ جبھی ممکن ہے جب ایمان کی طرف رجوع کیا جائے جبلّی و نفسانی داعیات ہوں یا جذبۂ انانیت یا عادات و میلانات ہر ایک کو قابو میں رکھنا اور حدود سے متجاوز نہ ہونے دینا ایمان کا کام ہے اور کسی کا نہیں۔ ایمان ہی عزمِ صمیم کا خالق ہے۔ وہ قوتِ ضابطہ ہے جو نفسانی داعیات کو ان کے فطری حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتی اور وہ عزمِ محکم ہے جو عادات کو بدل کے رکھ دیتا ہے۔

اسی شراب کی لت میں آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے عرب کا معاشرہ بھی بہت بری طرح مبتلا

Marfat.com

ہو چکا تھا۔ ذرا ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح ایمان نے قلیل عرصہ میں عربوں کو اس برائی سے یکسر نجات دلادی ابتدائے قرآن میں حکم نازل ہوا کہ اے نبیؐ انہیں کہہ دو کہ ان دونوں چیزوں (شراب اور جوا) میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ اُن کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہ حکم نازل ہوا کہ نشۂ شراب کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہ گویا ذہنوں کو تدریجاً تیار کیا جارہا تھا کہ شراب بہر حال بری چیز ہے اسے چھوڑ ہی دینا چاہیئے۔ اور بالآخر ارشاد ہوتا ہے "اے ایمان لانے والو یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ (المائدہ: ۹۰-۹۱)

اس حکم کا نازل ہونا تھا کہ اطاعت و امتثال امر کے عجیب و غریب مظاہرے ہوتے۔ دنیا نے دیکھا کہ شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے۔ جام و ساغر اٹھا کر پھینک دیئے گئے اور شراب خانہ خراب یوں گلیوں میں بہنے لگی جیسے پانی بہتا ہو۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ابو عبیدہؓ، ابی بن کعب اور دیگر حضرات کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے خبر دی کہ شراب حرام کر دی گئی چنانچہ ابو طلحہؓ نے کہا اے انسؓ اٹھو اور شراب کو باہر گلی میں بہا دو۔ یہ کون حکم دے رہے ہیں وہ کہ جن کی گھٹی میں شراب پڑی تھی، وہ جو ہر چیز کی جدائی برداشت کر سکتے تھے مگر شراب کی مفارقت نہیں اس معاشرے کے لوگ کہ جس معاشرے کے ایک شاعر نے شراب کے ساتھ اپنا تعلق کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کی بیل کے نیچے دفن کرنا تاکہ اس کی جڑوں سے موت کے بعد بھی میرے رگ و ریشے سیراب ہوتے رہیں۔ امرؤالقیس (ممتاز جاہلی شاعر) کو جب اپنے باپ کے قتل کی خبر ملی تو اس وقت وہ میخواروں کی مجلس میں بیٹھا ناؤ نوش میں مصروف تھا۔ یہ المناک خبر سن کر کہنے لگا۔ اَلْیَوْمَ خَمْرٌ وَغَدًا اَمْرٌ۔ آج تو شغلِ شراب جاری رہے گا۔ کل سوچیں گے کیا کرنا ہے۔

ہم بیان کر رہے تھے کہ شراب کے یہ متوالے جب دولت ایمان سے مالا مال ہوئے تو پھر شراب محبوب نہ رہی بلکہ خدا اور رسولؐ کی محبت ہر چیز پہ غالب آگئی۔ اُن کے ایک اشارے پر شراب کے ساتھ اپنا صدیوں کا تعلق منقطع کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ الاشعری روایت کرتے ہیں کہ ہم بیٹھے شراب پی رہے

Marfat.com

تھے کہ میں اٹھا اور رسولِ پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اس وقت تحریمِ خمر کا حکم نازل ہوا ہی تھا اور آپؐ صحابہؓ کرام کو وہ آیت سنا رہے تھے۔ میں نے بھی آکر اپنے ساتھیوں سے حرمتِ شراب کا ذکر کیا جو ابھی تک شراب نوشی میں مصروف تھے تو ان میں سے کوئی پیالہ پکڑ رہا تھا۔ کسی نے ساغر ہونٹوں کو لگایا ہی تھا اور کوئی دو چار گھونٹ پی چکا تھا اور میں جب آیت پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچا فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ۔ تو سب بیک زبان پکار اُٹھے اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا۔ اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا۔ اے ہمارے رب ہم باز آگئے اے ہمارے رب ہم باز آگئے۔ اور یوں آنِ واحد میں سالہا سال کی ایک عادت چھوٹ گئی۔ وہ عادت جو اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی اور جس نے اِس پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

پس ثابت ہوا کہ کوئی عادت خواہ وہ کتنی ہی پختہ ہو۔ رگ و ریشہ میں رچ بس گئی ہو ایک فرد پر مسلط ہو یا پورے معاشرہ کو اپنا شکار بنا چکی ہو۔ ایمان کے ایک حملہ کی تاب بھی نہیں لاسکتی۔

Marfat.com

ایمانؔ بحیثیت اساسِ اخلاق

نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ایک مخفی قوت موجود ہوتی ہے جسے نہ خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے نہ علم الطبیعات اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس کا کام فرائض و واجبات کی طرف انسان کی راہنمائی کرنا ہے اور خیر و صلاح کی طرف اسے اس طرح کھینچ لینا جیسے مقناطیس قطب نما کی سوئی کو کھینچے رکھتا ہے اور شر و فساد سے اسے بچانا۔ جیسے باپ بیٹے کو غلط حرکات سے بچاتا ہے یا جیسے استاد اپنے تلامذہ پر نظر رکھتا ہے یہ باطنی قوت جو تاریکی میں روشنی کا کام دیتی ہے، فضائل پہ آمادہ کرتی اور رذائل سے باز رکھتی ہے۔ معروف کا حکم دیتی اور منکر سے منع کرتی ہے۔ علمائے اخلاق اسے ضمیر اور وجدان سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام نے اسی کا نام "القلب" (دل) رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا "ہر وہ کام نیکی ہے جسے کر کے باطن سکون محسوس کرے اور دل مطمئن ہو۔ اور گناہ وہ کام ہے جس کے ارتکاب سے نہ نفس کو سکون حاصل ہو اور نہ دل کو اطمینان اگرچہ مفتی حضرات تجھ کو اس کے جواز کا فتویٰ دے ڈالیں" اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیں تاہم تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کر۔"

قلب و ضمیر اخلاق کا بنیادی ستون ہے۔ اس کے بغیر اخلاق کی عظیم الشان عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ زندہ ضمیر اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا باعث بھی ہوتا ہے اور ایک مستعد دربان کی طرح اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ محض قوانین اور آئینی ضوابط کے بل بوتے پر یا پولیس اور فوج کی قوت سے ترقی و تنظیم اور سعادت و خوش بختی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ حصولِ سعادت کے لئے بیدار ضمیر اور زندہ قلوب کا وجود ضروری ہے۔ اور یہ کلمۂ حکمت تو آپ نے سنا ہی ہو گا کہ عدل و انصاف قانون کے الفاظ میں نہیں بلکہ قاضی اور حاکم کے ضمیر میں ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عامتہ الناس کی نظر میں قانون کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ ایک شاعر نے ان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے

Marfat.com

لن یصلح القانون فینا رادعا   حتی تکون ذوی ضمائر تردع ۔

(ترجمہ) قانون کی سرزنش ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب تک کہ ہم خوف سے لبریز دلوں کے حامل بن جائیں

پس جب اخلاق کے نشوو ارتقا میں ضمیر اس درجہ دخیل ہے تو آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ خود ضمیر کی تخلیق کا راز کس چیز میں مضمر ہے

ضمیر اور ایمان ضمیر کی تعمیر و تخلیق میں ایمان بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسے زندگی عطا کرنے، اس کی آواز کو زیادہ مؤثر بنانے اور ہر قدم پر اس کی محرک اور فعال حیثیت برقرار رکھنے کے لئے ایمان ناگزیر ہے۔ اللہ پر ایمان۔ انسان کے اندر یہ اعتقاد راسخ کر دیتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے سفر میں، حضر میں، خلوت میں، جلوت میں اللہ سے اس کی کوئی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ انسان کے نہاں خانۂ دل و دماغ کے اسرار و رموز، اس کے پوشیدہ اعمال اور اس کی ظاہری حرکات ہر ایک سے اللہ پوری طرح باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

(المجادلہ - ۷)

کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو یا پانچ آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ جہاں کہیں بھی وہ ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دیگا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

اے نبیؐ تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ سناتے ہو اور لوگو! تم بھی جو کچھ کرتے ہو اس سب کے دوران ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں کوئی ذرہ برابر چیز آسمان میں اور زمین میں ایسی نہیں ہے

Marfat.com

ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۔ (یونس: ۶۱)	نہ چھوٹی نہ بڑی جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو۔

ایمان باللہ کے بعد ضمیرِ انسان کو جو چیز مزید سنوار اور نکھار دیتی ہے وہ یومِ آخرت پر ایمان ہے۔ یومِ آخرت پر ایمان دراصل اس حقیقت کا شعور ہے کہ مرنے کے بعد رب العزت کی بارگاہ میں انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے ہر اچھے عمل کی جزا وصول کرنی ہے اور ہر برائی کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ اُس وقت اس کی زندگی کی لمحہ بہ لمحہ تفصیل اس کے سامنے رکھ دی جائیگی۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق - ۱۸)	دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔
أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ط بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (الزخرف - ۸۰)	کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے ہیں۔ ہم سب کچھ سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی ہر چیز لکھتے ہیں۔

حیاتِ انسانی کا یہ سارا ریکارڈ ——— جسے اللہ کے فرشتوں نے پوری جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ مرتب کیا ہوگا اور جس کے مطابق اس سے مواخذہ و محاسبہ کیا جائیگا ——— ایک ایسی ناقابلِ تردید دستاویز ہوگی کہ جس کا ذرا سا احساس ہی قلب کی زندگی کا ضامن اور ضمیر کی بیداری کا باعث ہے۔

اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد اور یومِ آخرت پر اس نوعیت کا ایمان ہی انسان کو ہر آن اللہ کی نگرانی کا احساس دلاتا ہے اور اپنے نفس کے محاسبہ پر مجبور کرتا ہے چنانچہ وہ کھلی آنکھوں سے اپنے افعال و اعمال کا جائزہ لیتا ہے۔ نتائج و عواقب پر نظر رکھتا ہے۔ نہ ظلم و ستم کرتا ہے نہ خیانت و بدعہدی کا مرتکب ہوتا ہے نہ ڈینگیں مارتا ہے اور نہ تکبر کرتا ہے اور نہ اپنے فرائض کا انکار کرتا ہے

Marfat.com

اور نہ دوسروں کے حقوق کا دعویدار ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کے محاسبے سے کل خائف ہو۔ نہ چھپ کر کوئی ایسی حرکت کرتا ہے کہ جس کے منصۂ شہود پہ آجانے سے اسے ندامت لاحق ہو سکتی ہو .خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقینِ کامل اسے راہِ صواب سے ذرّہ برابر اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتا۔ کما قال شاعر صوفی ؎

إذَا مَاخَلوتَ الدهرَ یوماً فلا تقل | خَلوتُ ولٰکن قُل علیّ رقیب؟
ولا تحسبن اللہ یغفل ساعۃ | ولا ان ما تخفیہ عنہ یغیبُ

(ترجمہ) اگر تو ایک دن کے لئے بھی خلوت نشین ہو تو یہ نہ کہہ کہ میں اب تنہا ہوں بلکہ یہ کہہ کہ مجھ پہ ایک علیم و خبیر نگران ہے اور اللہ کے بارے میں کبھی یہ گمان نہ کر کہ وہ ایک لحظہ کے لئے بھی غافل ہو جاتا ہے یا جو کچھ تو اس سے چھپانا چاہتا ہے وہ اس کی نظر سے فی الواقع چھپ جاتا ہے۔

صوفیاء اور احتساب نفس ایک اہل اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس ارشادِ الٰہی کا کیا مطلب ہے۔

رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ۔ — اللہ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور یہ مقام اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے رب سے ڈر جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ رب سے ڈر جانے کا مطلب ہے اپنے آپ کو رب کی نگرانی میں محسوس کرنا اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور آخرت کے لئے توشۂ حسنات جمع کرنا۔

محمد بن علی الترمذیؒ نے فرمایا: اپنے آپ کو اس ذات کی نگرانی میں دے دے کہ جس کی نظر سے تو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اپنے شکر و سپاس کو اُس کے لئے خاص کر دے کہ جس کے انعامات کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ صرف اُس کی فرمانبرداری اختیار کر کہ جس سے تو کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اپنے خشوع و خضوع کا مستحق اس کو گردان کہ جس کی سلطنت سے قدم باہر رکھنا ممکن نہیں۔

حضرت ذُوالنونؒ مصری سے پوچھا گیا: بندہ جنت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا پانچ چیزوں سے: استقامت سے جو ہر شائبۂ مکر و انحراف سے پاک ہو۔ کوشش سے جس میں سہو و نسیان نہ ہو خوفِ خدا سے جو ظاہر بھی ہو اور باطن بھی۔ موت کی تیاری کرنے کے بعد اس کے انتظار سے اور محاسبۂ نفس سے پیشتر اس کے کہ اس کا حساب لیا جائے۔

Marfat.com

بلا شبہ وہ ضمیر جس کی تربیت ایمان کرتا ہے —— خوف خدا اور حساب آخرت سے سرشار ایمان۔ بیدار، توانا اور شدید الحس ہو جاتا ہے۔ وہ عمل سے پیشتر ہی انسان کا احتساب کرتا ہے۔ کیا کرنا چاہتا ہے؟ کیوں کرنا چاہتا ہے؟ کس کے لئے کرنا چاہتا ہے؟ پھر اسی پر اکتفا نہیں وہ عمل کے بعد بھی محاسبہ جاری رکھتا ہے تو نے کیا کیا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نورِ ایمان سے منور ضمیر بڑا ہی مستعد قاضی ہوتا ہے جو جزا یا سزا پر مشتمل اپنا فیصلہ فوراً صادر کر دیتا ہے اور اس کا فیصلہ باطنی طعن و ملامت ہی کی صورت نہیں اختیار کرتا بلکہ کبھی کبھی مادی و جسمانی سزاؤں کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ”وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ“ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مومن جب بھی اپنے گریبان میں منہ ڈالتا ہے نفس کو معتوب کرنے لگتا ہے۔ میری اس بات سے تیری کیا مراد تھی؟ میرے کھانے میں تیرا کیا ارادہ مضمر تھا؟ میرا پینا کس مقصد کے تحت تھا؟ مگر فاسق و فاجر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ معصیت میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اور کبھی پلٹ کر نفس پر عتاب بھیجنے کی اسے توفیق نہیں ہوتی۔

حضرت مالکؒ بن دینار نے فرمایا: اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس کو سرزنش کرتے ہوئے کہا —— کیا تو اس چیز کا مالک نہیں؟ کیا تیرے پاس وہ چیز نہیں؟ اللہ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد پھر نفس کو لگام دی اور نکیل ڈال دی اور کتاب اللہ کی پیروی پر اسے مجبور کر دیا۔

حضرت ابراہیمؒ التیمی نے فرمایا: میں عالم تصور میں اپنے نفس کو جنت میں لے گیا اور اس کے پھل کھانے لگا۔ اس کی صاف شفاف نہروں کا پانی پیا اور وہاں کی حسین و جمیل دوشیزاؤں سے بغل گیر ہوتا رہا۔ بعد ازاں اپنے نفس کو دوزخ میں لے آیا۔ جہاں اس کے کڑوے کسیلے پھل کھائے اس کے بدبودار دوں کا لہو اور پیپ پینے کی کوشش کی اور طوق و سلاسل پہنے مبتلائے مصیبت رہا پھر میں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا ان میں سے کون سا مقام تجھے مطلوب ہے؟ نفس نے جواب دیا۔ میں سرِدست دنیا میں رہ کر ہی کچھ اعمالِ صالح کرنا چاہتا ہوں اس پر آنجناب نے فرمایا تیری مراد پوری ہو گئی اب عمل ہی کئے جا۔

مذکورہ بالا احوال و واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایمان، ضمیر کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کی کیا صورتیں اختیار کرتا ہے۔ جناب احنف بن قیس اس مقصد کے لئے ایک اور طریقہ اختیار فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے۔ آپ چراغ کے پاس چلے جاتے اور چراغ کی لو پہ انگلی رکھ دیتے جب آگ اسے جلانے لگتی تو آپ اپنے نفس سے کہتے۔ اے احنف گناہوں کی سزا یہی آگ ہے۔ فلاں دن تو نے جو (گناہ) کیا تھا تجھے اس پر کس چیز نے اکسایا؟ اور فلاں دن تو نے جو کچھ کیا اس پہ کس چیز نے مجبور کیا؟ کیا اُس وقت آگ کا خوف نہ تھا۔

محاسبۂ نفس کا ایک اور اسلوب وہ ہے جو توبۃ الصمۃ سے مروی ہے۔ آپ نے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی عمر کا حساب لگایا تو وہ ساٹھ سال بنی پھر آپ نے ان سالوں کے دن گنے تو وہ اکیس ہزار پانچ سو ہوئے۔ اِس پہ آپ چیخ اٹھے اور گویا ہوئے۔ ہائے افسوس ۲۱۰۰۰ گناہوں کو لے کر خدا کے دربار میں حاضر ہوں گا پھر خیال آیا کہ گناہوں کی یہ تعداد تو اس صورت میں ہے۔ اگر روزانہ ایک ہی گناہ کیا ہو۔ لیکن اپنا حال تو یہ ہے کہ ایک ایک دن میں ہزاروں گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

اوپر ہم نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ضمیر کے فیصلے کے نتیجے میں کبھی کبھی مادی سزا بھی آدمی کو مل جاتی ہے اور بیدار ضمیر انسان اسے بخوشی قبول کر لیتا ہے تو اس کی مثال حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ ایک روز اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ خوشگوار ماحول میں نماز پڑھتے وقت آپ کی توجہ شاخ ثمر پہ بیٹھے ہوئے ایک پرندے کی طرف مبذول ہو گئی اور آپ کو تھوڑی دیر کے لئے احساس نہ رہا کہ آپ حالتِ نماز میں ہیں۔ بعد میں جب خیال آیا کہ بجائے اللہ کے، دل پرندے کی طرف مائل ہو رہا ہے تو آپ نے اس نقصان کا کفارہ یوں ادا کیا کہ پورے باغ ہی کو صدقہ کر ڈالا اور آئندہ کے لئے ایسے ہر نقصان سے محفوظ ہو گئے۔

Marfat.com

نورِ ایمان سے منوّر ضمیر کا اعجاز

انسان خود اپنے وضع کردہ قوانین کی پابندی سے بھاگتا ہے اور ان کے اجراء و نفاذ پہ ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر سو طرح کی تدابیر سوچتا ہے۔ مثال کے طور پہ حکومتیں کاروبارِ سلطنت چلانے کے لئے ٹیکس عائد کرتی ہیں۔ امنِ عامہ بحال رکھنے اور معاشرتی جرائم کے سدِّ باب کے لئے قانونی تعزیرات نافذ کرتی ہیں۔ آپس کے معاملات کو درست رکھنے کے لئے اور بیع و شریٰ کے صحیح انعقاد کی خاطر اصول و ضوابط طے کرتی ہیں۔ سیاست و حکمرانی کے باب میں ایسے اقدامات کی سختی سے ممانعت کر دی جاتی ہے جن سے ملک و قوم کا مفاد متاثر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد عملاً ہوتا یہ ہے کہ قوانین و ضوابط کی کھلم کھلا مخالفت کی جاتی ہے۔ ٹیکسوں کی چوری اور جرائم کا ارتکاب سرِ عام ہوتا ہے۔ قانون کا احترام نہ حکام کرتے ہیں اور نہ عوام ہی اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ لوگ قوانین کی افادیت و اہمیت کو سمجھنے کے باوجود ان سے انحراف کیوں کرتے ہیں؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ ان کا ضمیر بیدار نہیں ہوتا اور اسے ایمان کی حرارت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ جو ضمیر ایمان کی بدولت بیدار ہو چکا ہو اس پہ عقل عیار کا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا آئیے ذرا اسلامی تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں کہ نورِ ایمان سے منوّر قلوب و ضمائر کس طرح زندگی کے ہر میدان میں انسان کی رہنمائی کرتے ہیں

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ میں ایک آدمی کے پاس گیا اور اسے اپنے تمام اونٹ جمع کرنے کے لئے کہا جب وہ سارے میرے سامنے حاضر کر دیئے گئے تو میں نے حساب لگا کر اسے بتایا کہ آپ کو صرف ایک سال کا بچہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا ہو گا۔ اس نے کہا کہ ایک سال کا بچہ تو نہ دودھ دے گا نہ سواری کے قابل ہو گا آپ اس کے بجائے یہ جوان اور موٹی تازی اونٹنی لے جائیں۔ میں نے کہا کہ جس چیز کو لینے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا اسے کیسے لے لوں؟ ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے قریب ہی ہیں

Marfat.com

اگر آپ چاہیں تو حضورؐ کے پاس چلے جاتے ہیں۔ پھر اگر آپؐ نے اسے قبول کر لیا تو میں وصول کر لوں گا بصورت دیگر آپ کا مال آپ کو مبارک۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اور میرے ساتھ چل پڑا اور وہ اونٹنی جو مجھے دے رہا تھا ساتھ لے لی۔ بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچ کر کہنے لگا "یا رسول اللہ آپ کا قاصد میرے پاس پہنچا تاکہ میرے مال کا صدقہ وصول کرے اور اس سے پیشتر میرے مال کا صدقہ وصول کرنے کے لئے نہ کبھی آپ تشریف لائے نہ آپ کا کوئی قاصد آیا۔ میں نے اس کے سامنے اپنے سارے اونٹ پیش کر دیئے اس کا کہنا ہے کہ ایک سال کا بچہ ادا کروں، لیکن وہ تو اللہ کے رسولؐ نہ دودھ دینے کے قابل ہوتا ہے نہ سواری کے۔ مَیں نے اس کے بجائے اسے ایک جوان موٹی تازی اونٹنی دی مگر یہ اُسے لینے سے انکار کرتا ہے اونٹنی مَیں اپنے ساتھ لے آیا ہوں لے اللہ کے رسول آپ قبول فرمالیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے ذمہ واجب الادا صدقہ تو وہ بچہ ہی ہے۔ تاہم اگر تم زیادہ دینا چاہتے ہو تو اس کا اللہ آپ کو اجر دے گا اور ہم اسے قبول کر لیتے ہیں اس کے بعد آپ نے اس اونٹنی کو وصول کرنے کا حکم دے دیا اور اُس صحابیؓ کے مال میں برکت کی دعا کی ——— آپ نے غور کیا اس واقعہ میں فریقین کے اندر کون سا مقدس جذبہ کار فرما ہے؟ یہ ضمیر کی آواز تھی۔ اُس ضمیر کی جس پر ایمان کا رنگ چڑھ چکا تھا۔

حضرت ماعزؓ بن مالک مشہور صحابی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور زنا کر بیٹھا ہوں۔ اب چاہتا ہوں کہ آپؐ مجھے پاک کر دیں" رسولِ پاک نے فرمایا شاید تُو نے چھیڑ چھاڑ کی ہو یا بوس وکنار کی ہو۔ مگر حضرت ماعزؓ نے ہر بار تردید کی اور گناہ کا اعتراف کرتے رہے اور اس بات پر مصر رہے کہ حد جاری کر کے انہیں پاک کیا جائے بالآخر رسولِ پاکؐ نے انہیں رجم کرنے کا حکم صادر فرما دیا اور حضرت ماعزؓ نے اپنے اوپر بخوشی حد نافذ کرائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

اور یہ ایک مسلمان خاتون ہیں۔ رسولِ پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں اے اللہ کے رسولؐ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے" رسول اللہ اسے لوٹا دیتے ہیں مگر اگلے دن وہ پھر آجاتی ہیں اور کہتی ہیں "یا رسول اللہ آپ نے مجھے لوٹا دیا شاید آپ ماعزؓ کی طرح مجھ پر سے حد ٹالنا چاہتے ہیں، بخدا میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ بات ہے تو اب چلی جاؤ اور بچے کی پیدائش

Marfat.com

کے بعد آنا۔ عورت چلی گئی۔ دن پہ دن گزرتے گئے مگر اس کے ضمیر کی خلش نہ گئی۔ گناہ سے پاک ہونے کا خیال اسے ہر وقت مضطرب رکھتا آخر وضع حمل ہو گیا اور بچے کو لے کر وہ ایک بار پھر دربارِ رسالت میں حاضر ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی حد جاری نہیں کی جا سکتی۔ جا اور اس بچے کو دودھ پلا اور جب زمانہ رضاعت گذر جائے اور بچہ روٹی وغیرہ کھانے لگے تو پھر آنا۔ بیدار ضمیر خاتون واپس چلی جاتی ہے اور پورے دو سال بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ مگر اس عرصے میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اس کے دل و دماغ سے گناہ کا تصوّر محو نہیں ہوتا۔ وہ آخرت میں اس جرم کی سزا کا خیال کر کے کانپ کانپ جاتی ہے آخر جب بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا تو وہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دے کر رسولِ خدا کی خدمت میں پھر پہنچ گئی۔ "یا رسول اللہ اب میرا بچہ دودھ نہیں پیتا۔ اب یہ کھانا کھانے لگا ہے" اس کے بعد اجرائے حد میں مزید تاخیر نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ آپؐ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دیدیا۔ حضرت خالد بن ولید بھی اُن لوگوں میں تھے جو اسے پتھر مار رہے تھے۔ انہوں نے اُس کے سر پہ پتھر مارا جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد کے چہرے پہ جا پڑے اس پہ اُن کے منہ سے گالی نکل گئی۔ اللہ کے نبیؐ نے سنا تو فرمایا۔ اے خالد رُک جا۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو مدینہ کے ستّر گنہگاروں پہ تقسیم کر دیا جائے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو۔ کیا اس سے افضل بھی کسی کی توبہ ہو سکتی ہے؟ اس نے تو خدا کے لئے اپنی جان دیدی۔

کیا دنیا کے کسی قانونِ تعزیرات کی اس درجہ اطاعت کی گئی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ دنیا کے قوانین کا نفاذ، فوج، پولیس یا حکومت کے دوسرے اہلکاروں کے ہاتھوں بجبر و اکراہ ہوتا ہے جس سے بچاؤ کی کئی صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ مگر اسلامی قانون کی تنفیذ پہ ایک مومن کو اس کا ضمیر مجبور کرتا ہے اور اس کی پکار پہ لبیک کہنا ہی پڑتا ہے۔

اس کے بعد دو چار واقعات اور سنیئے جن کا تعلق امانت و دیانت اور حسنِ معاملہ سے ہے اور جن سے متعلق قوانین پہ عمل درآمد ایمان و ضمیر کے ماسوا کوئی طاقت نہیں کرا سکتی۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حکم جاری کر دیا کہ اشیائے خوردنی میں ملاوٹ قابلِ تعزیر جرم ہے۔ کوئی مسلمان مرد اور عورت یہ جرم نہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ اِدھر فاروقِ اعظمؓ کا یہ حکم تھا اور اُدھر ایک

Marfat.com

عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی دودھ میں پانی ڈال دو کچھ زیادہ پیسے وصول ہو جائیں گے۔ بیٹی نے ماں کو امیرالمومنین کا حکم یاد دلایا تو ماں نے کہا امیرالمومنین یہاں کہاں ہے؟ وہ ہمیں دیکھ تو نہیں رہا۔ بیٹی نے جواب دیا اگر امیرالمومنین ہمیں نہیں دیکھتا تو خدا تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اماں جان میں دودھ میں پانی ہرگز نہیں ملاؤں گی یہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ دھوکا کرنا ہے یہ سنگین جرم ہے۔

مؤرخ طبری نے ذکر کیا ہے کہ جب مسلمان مدائن میں فاتحانہ داخل ہوئے تو انہوں نے مقبوضہ غنائم ایک جگہ جمع کر دیئے۔ ایک صاحب آئے اور ایک بیش قیمت چیز خزانچی کو دے دی لوگوں نے کہا ایسی بہترین چیز تو ہم نے آج تک نہیں دیکھی اور ہمارے پاس موجود اشیاء میں کوئی بھی اس کے برابر نہیں آپ نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو کبھی اسے تمہارے پاس لیکر نہ آتا لوگوں نے سمجھ لیا کہ آدمی بڑے مرتبہ و مقام کا حامل ہے۔ استفسار کرنے لگے آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں یہ نہیں بتاؤں گا نہ آپ کو اور نہ کسی اور کو۔ آپ میری مدح و تعریف کرنے لگیں گے حالانکہ میں نے یہ کام صرف خدا کی رضا کے لئے کیا ہے اور وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ لوگوں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور اس کے ساتھیوں سے اس کا نام معلوم کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو پتہ چلا کہ آنجناب عامر بن عبد قیس ہیں۔

حضرت عبداللہ بن دینار نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ امیرالمومنین عمرؓ ابن الخطاب کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک مقام پہ ہم نے رات گزاری۔ وہاں پہاڑ پر سے ایک چرواہا ریوڑ سمیت نیچے اُترا اور ہمارے پاس سے گزرا۔ امیرالمومنین نے اسے کہا! اے چرواہے ان میں سے ایک بکری میرے ہاتھ فروخت کر دے اس نے جواب دیا میں غلام ہوں اور یہ آقا کا ریوڑ ہے۔ آپ نے بہ بنائے آزمائش فرمایا" اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے چرواہا بولا اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور صبح کے وقت اس غلام کے ساتھ گئے اور آقا سے خرید کر اسے آزاد کر دیا اور فرمایا اس کلمہ کی بدولت تجھے دنیا میں تو آزادی نصیب ہو گئی ہے میں امید کرتا ہوں کہ آخرت میں بھی یہ تجھے نجات دلا دے گا۔

اب ذرا امورِ سیاست و حکمرانی کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ ایمان کا تربیت کردہ ضمیر کس طرح مسندِ حکومت پہ فروکش عمال کو راہِ راست پر رکھتا ہے اور با اختیار ہونے کے باوجود ظلم و زیادتی کا ادنیٰ تصور

Marfat.com

بھی ان کے دماغ میں نہیں ابھرتا نہ قومی دولت پہ خود کو متصرف پاکر خیانت و بدعہدی کا کوئی خیال ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

امیر المومنین عمر رضی بن الخطاب کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ قحط پڑ گیا۔ آپ نے اس عرصے میں معمول کا کھانا ترک کر دیا اور تیل یا روغن کے ساتھ روٹی چبا لیتے۔ نتیجتاً آپ کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ رفقائے کار نے یہ دیکھا تو عرض کیا۔ اے امیر المومنین امورِ سلطنت کا بار آپ کے کاندھوں پر ہے۔ آپ اکل و شرب کے معاملہ میں اتنا پرہیز نہ کریں، مبادا آپ کی صحت بالکل ہی جواب دے جائے اس پہ آپ نے فرمایا۔

بئس الوالی انا ان شبعت والناس جیاع — میں بدترین قسم کا حکمران ہوں گا اگر خود سیر ہو کر کھاؤں اور لوگ بھوکے رہیں

اس زمانے میں آپ نے ایک دن اپنے خاندان کی ایک ننھی بچی دیکھی جو بھوک سے نڈھال ہو رہی تھی اور چلتے ہوئے گر پڑتی تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ کے بیٹے عبداللہ نے جواب دیا یہ میری بیٹی ہے۔ فرمایا اس کو کیا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی نے کہا سامانِ خورد و نوش آپ کے قبضہ میں ہے جسے آپ نے ہم سے روک رکھا ہے اسی کا نتیجہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں" بیٹے کی شکایت سنی تو آپ نے فرمایا۔ عبداللہ رضی میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ کن چیز اللہ کی کتاب ہے، بخدا میں آپ حضرات کو وہی چیز دے سکتا ہوں جس کا اللہ نے آپ کو حق دار بنایا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ دوسروں کو ان کے حقوق سے محروم کر کے تمہیں نوازتا رہوں اور یوں خدا و خلق کی نظروں میں خائن قرار پاؤں"

امام رحمہ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں عمر رضی فاروق کے کارہائے نمایاں اور عظیم الشان فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے، سادہ زندگی بسر کرتے اور معمولی خوراک کھاتے تھے باایں ہمہ دینِ حق کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بڑے مستعد اور شدید تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ لباس میں خود چمڑے کے پیوند لگا لیتے۔ پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ اٹھا لاتے۔ گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو جاتے، بہت کم ہنستے، اور کبھی کسی سے مذاق نہ کرتے۔ آپ کی انگوٹھی پہ یہ عبارت کندہ تھی۔

کفیٰ بالموت واعظاً یا عمر — اے عمر تیرے لئے موت کا ناصح کافی ہے۔

اور یہ امیر المومنین علی رضی ابن ابی طالب ہیں جعدہ بن ہبیرہ ان سے مخاطب ہے۔ اے امیر المومنین دو آدمی آپ کے پاس آتے ہیں ان میں سے ایک آپ کو اپنے اہل و عیال اور مال و منال سے زیادہ محبوب رکھتا ہے

Marfat.com

جب کہ دوسرا آپ کی دشمنی میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اس کا بس چلے تو آپ کو ذبح کر ڈالے مگر آپ ہیں کہ دشمن کے حق میں اور دوست کے خلاف فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا۔ جانبداری کا رویہ تو میں اس صورت میں اختیار کر سکتا ہوں جب ذاتی منفعت میرے پیشِ نظر ہو مگر میرے تو سب کام اللہ کے لئے ہوتے ہیں۔

امام شعبیؒ کہتے ہیں حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک عیسائی کے پاس ہے چنانچہ اسے عدالت میں طلب کیا گیا۔ حضرت علیؓ نے بیان دیا کہ یہ زرہ میری ہے میں نے اسے فروخت کیا ہے نہ ہدیۃً کسی کو دی ہے۔ قاضی شریح نے عیسائی سے کہا امیر المومنین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے بارے تم کیا کہتے ہو۔ عیسائی نے جواب دیا زرہ میری ہے اور امیر المومنین محض جھوٹ بول رہے ہیں۔ قاضی نے جناب امیر کی طرف توجہ کی اور دریافت کیا آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرا دیئے، اور فرمایا ثبوت تو میرے پاس کوئی نہیں۔ قاضی نے فیصلہ دیدیا کہ زرہ کا مالک عیسائی ہے۔ وہ زرہ لیکر چلا گیا، ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ پھر پلٹ آیا اور کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ عین انبیاء و رسل کی، تعلیمات ہیں۔ امیر المومنین عدالت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے قاضی سے فیصلہ طلب فرماتے ہیں مگر قاضی ان کے حق میں فیصلہ کرنے کے بجائے ان کے خلاف فیصلہ کر دیتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے امیر المومنین اس میں کچھ شک نہیں کہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ آپ صفین جا رہے تھے کہ راستے میں آپ سے گر گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے یہ سنا تو فرمایا" اب جب کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے جاؤ میں نے آپ کو یہ زرہ بخش دی۔

یہ دولتِ ایمان سے مالا مال ضمیر تھا جو خلیفہ اور قاضی دونوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ خلفاء نے کبھی یہ کوشش نہ کی کہ قوت کے بل بوتے پر اپنا حق وصول کریں یا قاضی پر کسی طرح کا اثر ڈالیں تاکہ وہ فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق دے۔ اسی طرح قاضی نے بھی یہ نہیں کیا کہ خلیفہ کی رضا جوئی کے لئے انصاف کا خون کر دے لسے اگرچہ یقین تھا کہ خلیفہ سچ کہتا ہے۔ مگر تقاضائے عدل و انصاف یہ تھا کہ امیر و مامور دونوں کے ساتھ قانون کے مطابق مساوی برتاؤ کیا جائے۔

اور یہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کے بارے میں مالکؒ بن دینار کہا کرتے تھے "لوگ کہتے ہیں کہ مالک بڑا پرہیز گار ہے۔ میں بھلا کیونکر پرہیز گار ہوا۔ پرہیز گار تو عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کے پاس

Marfat.com

دنیا منہ کھولے ہوئے آئی مگر انہوں نے اسے جھٹک دیا۔

خلفائے بنی امیہ میں یہی وہ خلیفہ راشد تھے جن کے پاس صرف ایک قمیص تھی، میلی ہو جاتی تو اسی کو دھونے کے لئے دے دیتے اور جب تک وہ خشک نہ ہو جاتی آپ گھر پہ ہی قیام فرماتے۔

ایک دن اپنے گھر تشریف لائے اور اہلیہ سے ایک درہم قرض مانگا تاکہ انگور خرید سکیں مگر محترمہ کے پاس بھی نام خدا ہی تھا۔ وہ کہاں سے دیتیں۔ کہنے لگیں آپ اچھے امیر المومنین ہیں آپ کے خزانوں میں انگور خریدنے کے لئے بھی کچھ نہیں۔ اس پہ آپ نے فرمایا "میرے لئے آج محروم رہنا گوارا اور آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ کل نار جہنم کے طوق و اغلال میری گردن میں ہوں۔

آپ نے اپنے مختصر سے دور حکمرانی میں اس امر کی بھرپور کوشش کی کہ مظالم کا سلسلہ بند کر دیں اور حق داروں کو ان کے غصب شدہ حقوق لوٹا دیں۔ ان کی طرف سے روزانہ ایک منادی یہ اعلان کیا کرتا تھا " مقروض کہاں ہیں؟ تنگدست جو نکاح کے خواہش مند ہیں کہاں ہیں؛ یتامیٰ اور مساکین کہاں ہیں؟ میرے پاس آئیں تاکہ سب کی ضروریات پوری کر دوں۔ اس بے نظیر عدل و انصاف، کمال درجے کے زہد و پرہیزگاری اور شدید نفسانی ریاضت کے باوجود آپ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر یہ دعا کیا کرتے تھے۔ "اے اللہ عمرؓ میں یہ اہلیت نہیں کہ تیری رحمت کا حقدار ثابت ہو سکے۔ لیکن تیری رحمت اتنی وسیع ضرور ہے کہ اسے اپنے دامن میں ڈھانپ لے۔

مسلمان امراء اور حکام کے اندر یہ خدا خوفی کہاں سے آئی تھی؟ وہ مفاد ملت کے پاسبان اور عدل و انصاف کے پیکر کیوں بن گئے تھے صرف اس لئے کہ اپنا احتساب آپ کرنا ان کا شعار تھا اور اسی خود احتسابی کا نام ضمیر ہے۔ ضمیر بیدار کے امثلہ و شواہد کا بیان کچھ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پہ اور ہر میدان میں نور ایمان سے منور ضمیر انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بعض شعبہ ہائے حیات سے متعلق مثالیں ہم پیش کر چکے ہیں، اور بعض کا بیان ابھی باقی ہے۔

تجارت اور آپس کے لین دین میں ایک بندۂ مومن کا ضمیر اسے کس حد تک آمادہ نفع و خیرخواہی رکھتا ہے اس کا اندازہ حسب ذیل واقعات سے کیجئے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ حضرت یونس بن عبید پارچات فروخت کیا کرتے

Marfat.com

تھے۔ اُن کے پاس موجود بیش قیمت پارچات میں سے بعض کی قیمت چار سو درہم تھی اور بعض کی دو سو درہم آپ اپنے بھتیجے کو دکان پر بٹھا کر خود نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے ان کی عدم موجودگی میں ایک بدّو آیا اور چار سو درہم والا حُلّہ طلب کیا۔ آپ کے بھتیجے نے دو سو درہم والا حلہ دکھایا جسے بدّو نے پسند کیا اور خرید لیا۔ ابھی وہ چند ہی قدم گیا تھا اور حُلّہ بھی اس کے ہاتھوں ہی میں تھا کہ سامنے سے حضرت یونس بن عبید آگئے۔ آپ نے حلہ پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ اُن کی دکان سے خریدا گیا ہے۔ پوچھا کتنے میں خریدا ہے؟ بدّو نے کہا چار سو درہم میں۔ آپ نے فرمایا مگر اس کی قیمت زیادہ سو درہم ہے۔ آؤ اور یہ حُلّہ واپس کر دو۔ بدّو نے جواب دیا مگر ہمارے علاقے میں تو اس کی قیمت پانچ سو درہم ہے اور میں چار سو میں خرید کر راضی ہوں حضرت عبید نے کہا بھائی میرے ساتھ آیئے دین میں نصیحت و خیر خواہی کو دنیا بھر کے مال و منال سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ اسے دکان پر لے آئے اور دو سو درہم واپس کئے اور اپنے بھتیجے کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہیں شرم نہ آئی۔ سو فیصد منافع لیتے ہوئے تم نے خدا کا خوف نہ کیا۔ تمہیں مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلق خیال نہ آیا۔ بھتیجے نے کہا "چچا جان! خدا کی قسم یہ صاحب تو چار سو درہم دے کر بھی راضی تھے"۔ مگر تم جو قیمت اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اس کے لئے کیوں نہ کی؟ حضرت عبید نے جواب دیا۔

ہو سکتا ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ خیر خواہی کا یہ احساس صرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے اندر ہی موجود تھا۔ یہ سوچ درست نہیں اس گئے گزرے زمانے میں بھی بہت سے روشن ضمیر ایسی اعلیٰ روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرمایا کہ حجاز کے ایک ثقہ بزرگ سے مجھے معلوم ہوا کہ مکہ کے تجار اپنے کاروباری ساتھیوں کے ساتھ حد درجہ اخلاص و ایثار کا برتاؤ کرتے تھے اگر کسی تاجر کے پاس دن کے آخری حصے میں کوئی گاہک آتا اور تاجر یہ سمجھتا کہ آج میرا کافی مال فروخت ہو گیا ہے مگر فلاں دکان دار کی بکری بہت کم رہی ہے تو گاہک کو مشورہ دیتا کہ اس بازار میں فلاں دوکاندار کے پاس وہ مال موجود ہے جو آپ مجھ سے خریدنا چاہتے ہیں آپ براہ کرم وہاں تشریف لے جائیں یوں ہر تاجر دوسرے کی خیر خواہی کرتا۔

آخر میں ایک دو واقعات بذل و انفاق کے بھی سن لیجئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک با ایمان اور باضمیر شخص کے نزدیک مال و دولتِ دنیا کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ اپنی ذات پہ خرچ کرنے کے بجائے

Marfat.com

دوسروں پہ خرچ کر کے زیادہ راحت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ امام مالک نے موطا میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مسکین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا، جب کہ آپ روزہ سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ جاؤ اسے وہ روٹی دے دو۔ اس نے کہا تو پھر روزہ افطار کرنے کے لیئے آپ کے واسطے کچھ نہ رہے گا۔ آپ نے فرمایا بس اسے وہ روٹی دے دو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ممکن ہے کوئی آدمی یہ خیال کرے کہ روٹی معمولی چیز تھی اس لئے آپ نے اپنی ذات پہ مسکین کو ترجیح دی تو ایسے حضرات کے لیئے ہم ام المومنین حضرت عائشہ ہی کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اسی ہزار درہم حضرت عائشہ کی خدمت میں بھجوائے۔ اس وقت بھی آپ روزہ سے تھیں اور ایک پرانا سا لباس آپ نے زیب تن کر رکھا تھا۔ درہم وصول کرنے کے بعد اسی وقت حضرت عائشہ نے انہیں فقرا اور مساکین میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ اُن کی خادمہ نے کہا "ام المومنین آپ ایک دو درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں تاکہ ہمارے لیئے رات کا کھانا تیار ہو جاتا اور آپ کی افطاری کا سامان بھی۔ اُم المومنین نے فرمایا بیٹی پہلے ذکر کیا ہوتا تاکہ میں کچھ بچا لیتی" تو آپ نے غور فرمایا کہ وہ روزہ دار ہستی جس نے ایک روٹی کے لیئے اپنے اوپر ایک مسکین کو ترجیح دی جب اس کے قبضہ میں اسی ہزار درہم آئے تو اس وقت بھی فقراء و مساکین ہی کو اپنی ذات پہ مقدم رکھا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے چار سو دینار ایک تھیلی میں باندھ کر اپنے لڑکے سے کہا انہیں ابو عبیدہؓ بن الجراح کو میری طرف سے دینا، پھر دیکھنا وہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں۔ لڑکا اُن کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ آپ یہ رقم قبول فرمائیں اور اپنی کوئی ضرورت پوری کر لیں حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا۔ اللہ امیر المومنین پہ رحم فرمائے اور انہیں میل ملاپ کی توفیق دیئے رکھے۔ بعد ازاں انہوں نے ایک لڑکی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ یہ سات دینار فلاں آدمی کو دے آؤ۔ اور یہ پانچ دینار فلاں صاحب کے لیئے لے جاؤ اور یہ پانچ فلاں کے لیئے۔ اسی طرح بھجواتے گئے تاآنکہ سب ختم ہو گئے۔ لڑکا واپس آیا اور حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی کیا دیکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اتنے ہی دینار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیئے گن رکھے ہیں لڑکے سے کہا جاؤ یہ چار سو دینار

Marfat.com

معاذ رضی بن جبل کو دو اور پھر گھر کے کسی کام کاج میں مشغول ہو جانا اور دیکھنا کہ وہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں؟ لڑکا ان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی امیر المومنین فرماتے ہیں "اس رقم کو اپنی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں صرف کرلیں۔ آپ نے رقم قبول فرمالی اور کہا اللہ امیر المومنین پہ رحم فرمائے اور انہیں ربط و تعلق قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پھر ایک لڑکی کو بلایا اور حکم دیا جاؤ فلاں آدمی کے گھر اتنے دینار دے آؤ۔ فلاں آدمی کے گھر اتنے اور فلاں کے گھر اتنے۔ آپ تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کی اہلیہ کو خبر ہوئی انہوں نے آکر کہا واللہ ہم بھی تو غریب ہیں، ہمیں بھی کچھ دیجئے۔ اُس وقت کپڑے میں صرف دو دینار رہ گئے تھے۔ حضرت معاذ رضی نے وہ گھر والوں کی طرف پھینک دیئے۔ لڑکے نے جاکر اُن کے متعلق بھی اطلاع دی۔ سُن کر امیر المومنین بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ یہ سب بھائی بھائی ہیں ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کے لئے مثال۔

ایک دفعہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قافلۂ تجارت مدینے میں وارد ہوا قافلہ اتنا بڑا تھا کہ پورے مدینے میں ہلچل مچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شور و غوغا سُنا تو پوچھا کیا ماجرا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قافلۂ تجارت ہے اس پہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حدیث بیان فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ میں ایسے دیکھتا ہوں جیسے میں اور عبدالرحمن بن عوف پُل صراط پر کھڑے ہوں عبدالرحمان نیچے کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں مگر پھر سیدھے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بچ جاتے ہیں؛ اگرچہ قریب تھا کہ ... ... جب یہ حدیث حضرت عبدالرحمن بن عوف کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا "جتنے اونٹ سامان تجارت لے کر آئے ہیں، یہ سب اور ان پہ جو سامان تجارت لدا ہوا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ راوی نے بیان کیا کہ جو سامان تجارت اونٹوں پہ لدا ہوا تھا وہ اونٹوں سے زیادہ مالیت کا تھا اور اونٹوں کی تعداد پانچ سو تھی۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صاحب کی خدمت میں بکری کی سری ہدیتہً بھیجی گئی۔ انہوں نے قبول کرلی، پھر فرمایا فلاں آدمی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے، چنانچہ اس کی طرف بھیج دی۔ انہوں نے قبول کرکے ایک اور صاحب کی طرف بھجوا دی جو ان کے خیال میں زیادہ حاجت مند تھا۔ اس طرح ہر وصول کرنے والا بکری کی سری کو آگے

Marfat.com

بھیجتا رہا حتیٰ کہ وہ پلٹ کر پھر پہلے صحابیؓ کے پاس پہنچ گئی۔

اہلِ ایمان کا یہ بذل و انفاق اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھنے کا احساس ایمان و ضمیر ہی کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور اسی کی پیہم ترغیب و تحریک سے برقرار رہتا ہے۔

Marfat.com

ایمان ایک زبردست داعیۂ اصلاح

اعترافِ حقیقت قلوب و ضمائر کے تزکیہ اور اخلاقِ فاضلہ کی تربیت میں دین و ایمان کے اثرات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کا اعتراف اربابِ دین ہی نہیں بہت سے ملحدین اور منکرینِ خدا نے بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پہ ہم چند ایک منصف مزاج اکابر کے اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بنیامین کید KAD نے کہا ہے کہ تمام تمدنوں کی بنیاد میں اُخروی جزا و سزا کے وہ تصورات کارفرما ہیں جنہیں تکمیلِ اخلاق کے لئے دین نے پیش کیا ہے۔ دستوفسکی — جو دنیا کا سب سے بڑا ناول نگار ہے — کی کتنی ہی تحریریں ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ دینے کے بعد انسان شیاطین سے تعلق جوڑ لیتا ہے۔ ایک ملحد کی رائے میں دین ہے تو خرافات (معاذ اللہ) مگر اس کے بغیر زندگی ٹھیک طرح بسر نہیں ہوتی اور ایک دوسرے ملحد کا قول ہے کہ اگر اللہ موجود نہ ہوتا تو ہمارا فرض تھا کہ اسے ایجاد کر لیتے کیونکہ نفسِ انسانی پہ اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مشہور فرانسیسی ادیب گولتیر کہتا ہے کہ اللہ کے وجود میں شک کیوں کرتے ہو وہ اگر موجود نہ ہوتا تو میری بیوی میری عزت و ناموس میں خیانت کرتی اور میرا خادم میرا مال چرا لے جاتا۔ ایک منکرِ خدا کے تاثرات کچھ یوں ہیں "میں اگرچہ جہنم کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا تاہم اس بات کا اقرار ضرور کرتا ہوں کہ جہنم کی فکر بے شمار انسانوں کو برائی کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے۔ نوجوانوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ جہنم کی حقیقت کچھ نہیں تو وہ بڑے سے بڑا سنگین جرم بھی معمولی خیال کرنے لگیں نیز یہ کہ اخلاق کا کام یہ ہے کہ وہ جزء کے مقابل کُل کی مکمل تصویر لے آتا ہے اور حال کے سامنے مستقبل کو لا کھڑا کرتا ہے اور یہ صحتِ اعمال — جس کا اہتمام صرف دین کرتا ہے — کے بغیر ممکن نہیں۔

دین کے بارے میں ہوفدنج کی رائے یہ ہے کہ دین بہترین اقدارِ حیات کے تحفظ کا نام ہے اس کی جزا و سزا کے بغیر اخلاق ایک فرضی چیز قرار پاتا ہے اور ادائے فرض کا احساس زائل ہو جاتا ہے

Marfat.com

اور ہر نوجوان اپنے علم و ذکا کو حیلے بہانے سوچنے کے لئے وقف کر دیتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ تعمیرِ سیرت اور تربیتِ اخلاق کیلئے دین کے اثرات کا یہ کھلا اعتراف موحدین اور ملحدین سب کے ہاں ملتا ہے لیکن بعض کج فطرت لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ تربیت کی غرض سے خدا اور آخرت کا خوف انسانی قلوب و اذہان پہ بٹھانا در اصل آزاد اور خود مختار شخصیت کے نشوونما میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔

ان حضرات کی خدمت میں ہم یہ عرض کریں گے کہ تربیت میں سے خوف کے عنصر کو مطلق طور پہ نکالنے کا ادّعا ایک ادعائے باطل اور خیالِ موہوم ہے۔ تربیت کے لئے کسی نہ کسی کا خوف ناگزیر ہے باپ کا خوف ماں کا خوف، استاد کا خوف، برادری کا خوف، محلے اور معاشرے کا خوف، اہانت و تذلیل کا خوف، تاریک مستقبل کا خوف یا قانون اور حکومت کا خوف۔ پس جب یہ حقیقت ہے کہ خوف انسانی شخصیت کے صحیح ارتقاء کے لئے ضروری ہے تو پھر کسی دوسرے کے خوف کے بجائے اللہ خالق السموات والارض، مالک الملک اور احکم الحاکمین کا خوف ہی کیوں نہ ہو؟

فلا تخشوا الناس واخشون اللہ کا خوف ہی سب سے بہتر خوف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جابر و قاہر ہی نہیں علیم و حکیم اور غفور و رحیم بھی ہیں۔ دوسروں سے سخت گیری اور ظلم و زیادتی کا خدشہ ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں کہ ذاتِ حق کا ہر کام علم و حکمت اور عدل و رحمت پر مبنی ہوتا ہے۔ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔

ڈاکٹر ہنری لنگ کی شہادت دین و ایمان کے طریقِ تربیت پہ اعتراض وارد کرنے والوں کو ہم اپنی طرف سے جواب دینے کے بجائے ڈاکٹر ہنری لنگ کی تصنیفات پہ غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف امریکہ کے ممتاز نفسیاتی معالج ہیں انہوں نے اپنی کتاب العودۃ الی الایمان میں جدید نفسیاتی مکاتبِ فکر کی طرف سے پیش کردہ ایسے ہی بعض نظریات کی غلطی واضح کی ہے آپ رقم طراز ہیں۔

"بچوں کی تربیت نہایت مشکل کام ہے۔ اس میں حیاتِ انسانی کے متعدد داخلی اور خارجی امور پیشِ نظر رکھنے پڑتے ہیں۔ لیکن اس اہم فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عام طور پر والدین بعض غلط افکار و نظریات کے زیرِ اثر شدید کوتاہیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کوئی یہ سمجھتا ہے

Marfat.com

کہ بچے کو بدنی سزا بالکل نہیں ملنی چاہیئے کیونکہ یہ نفسیاتی لحاظ سے مضر ہے کسی کا خیال ہے کہ بچے کو ایسا کام کرنے کے لئے کہا جائے جس میں سختی کرنے کی نوبت نہ آئے۔ نیز یہ کہ بچے کو جھڑکنا جائز نہیں بلکہ اسے موقع دیا جائے کہ وہ اپنا مدعا بیان کر سکے یا یہ نظریہ کہ بعض بچے پیدائشی طور پر متعصب اور حساس ہوتے ہیں ان سے وہ کام نہ کرائے جائیں جو دوسرے بچے باآسانی کر دیتے ہیں" ڈاکٹر ہنری لنگ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی نظریہ بھی کسی علمی یا نفسیاتی دلیل کی رُو سے درست نہیں۔ آگے چل کر ڈاکٹر مذکور کہتے ہیں، بعض والدین کو ہم بڑبڑاتے ہوئے سنتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو مساجد یا دینی مدارس میں نہیں بھیجیں گے ان کے خیال میں وہ بڑے ہو کر بغیر کسی تکلیف کے مروجہ چیزوں کا ادراک کر لیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے یہ بچے شعور کی اُس منزل کو پہنچ سکیں گے جہاں اُن کے لئے خطا و صواب میں امتیاز کرنا ممکن ہو جائے گا؟ اور کیا یہ ان نمایاں اخلاقی نمونوں کو مان جائیں گے جنہیں ہم اپنے عہد طفلی میں تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بعض اعمال غلط ہوتے ہیں اور بعض دوسرے صحیح اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ صحیح و غلط کو معلوم کرنے کا یہ طریق ___ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کا بالکل ابتدائی اور فطری ہے۔ اس سے اعمال کے حسن و قبح کا پتہ بہر حال چل جاتا ہے۔ اس شعور کے بعد ہمارے کرنے کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اپنے بچوں کو بتا دیں کہ از روئے کتاب الٰہی یہ کام غلط ہے اور وہ صحیح اس سے بچے ذہنی طور پر قائل ہو جاتے ہیں کیونکہ ہماری اپنی رائے بھی وہی ہوتی ہے اور معاشرہ بھی اس سے اتفاق کر چکا ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی صحیح و غلط کے اس معیار کو رد کرتا ہے تو کیا ماحول یا معاشرے میں کہیں سے اسے کوئی تائید ملے گی؟ کوئی اس کے حق میں بولے گا؟ یا ماحول کا دباؤ اس کا ساتھ دے گا؟ نہیں کبھی نہیں۔ پھر کیا زندگی کی بنیادی اخلاقی اقدار، دینی عقائد کے علاوہ کسی اور جگہ سے ہمارے بچے حاصل کر سکتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔ ہمارے بچوں کی اخلاقی تربیت انہی اخلاقی اقدار کے پیشِ نظر رہنے سے ہو سکتی ہے چاہے ہم ان اقدار کے خدائی مصدر و ماخذ کو قبول کریں یا نہ کریں۔

ڈاکٹر ہنری لنگ مزید لکھتے ہیں" مختلف اور متضاد طبیعتوں کے حامل بچوں میں پاکیزہ عادات راسخ کرنے کے لئے ہر وہ ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے جو مؤثر ہو اور قدرے جبر و اکراہ پر مبنی ہو تاکہ بلا تاخیر اوصافِ حمیدہ کا اکتساب کیا جا سکے اور واقعہ یہ ہے کہ والدین کی بہت بڑی اکثریت نے اس مقصد کے لئے دیندار اکابر کے نصائح کی شدید احتیاج محسوس کی ہے اور اپنے بچوں میں

Marfat.com

محاسن اخلاق پیدا کرنے میں انہیں بہت مفید اور مددگار پایا ہے۔"

"عقلی اور نفسیاتی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سب سے بڑا ذریعۂ اصلاح خود دین ہے کیونکہ اللہ کے وجود پہ ایمان، اس کے رسولوں اور کتابوں پہ ایمان اور آخرت کی جزا و سزا کا یقین اتنا مضبوط حصار ہے کہ تربیتِ اخلاق کے دوران والدین اس کی بجا طور پہ پناہ لے سکتے ہیں اور اس طرح انہیں بچوں پہ وہ قدرت اور بالادستی نصیب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کارِ اصلاح و تربیت پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"وہ آباء جو سوال کرتے ہیں کہ ان کی اولاد میں اچھے اخلاق کیسے پیدا ہوں؟ جبکہ وہ دیکھ رہے ہوں کہ ان میں دینی تعلیمات اور اثرات کی بہت کمی ہے۔ وہ اخلاق جو پیشتر ازیں خود ان کی اخلاقی تربیت کر چکے ہوتے ہیں تو ایسے آباء فی الحقیقت ایک بڑی مشکل سے دوچار ہوتے ہیں۔ ایسی مشکل جس کا کوئی حل نہیں۔ کیونکہ تربیتِ اخلاق کے لئے کوئی چیز تعلیماتِ دین کا بدل قرار نہیں پا سکتی۔"

"دین ہی وہ واحد قوت ہے جو ان اخلاقی و عقلی مسائل کے حل کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے جنہوں نے والدین، اولاد اور پورے معاشرے کو پریشان کر رکھا ہے۔ اور جن کی بدولت یہ دنیا ایک دنیائے تغیر و اضطراب بن چکی ہے۔ اس میں ٹھہراؤ اور سکون اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسان خدائے حیّ و قیّوم کا دامن پکڑ لے گا کیونکہ صرف وہی ذات امن و سلامتی کا منبع اور تبدیلی و تغیر سے منزہ ہے۔"

دینی اسباق پڑھنے اور مساجد میں آنے جانے سے بچے کے قلب و ضمیر پہ جو گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں انہیں ڈاکٹر ہنری لنگ اپنے تجربات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے

مکاتب و مساجد اور دینی مواعظ و نصائح کے عیوب و نقائص چاہے کتنے ہی کیوں نہ ہوں یہ بات بجائے خود حقیقت ہے کہ یہ ادارے بچوں میں خطا و صواب کی تمیز پیدا کرنے والی صحیح بنیادیں فراہم کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ان کی بدولت ایمان باللہ اور اخلاق اللہ کا اصل الاصول کی حیثیت سے اعتقاد راسخ ہوتا ہے لہذا ماں باپ اور معاشرہ و ماحول کے لئے یہ ادارے عظیم افادیت کے حامل ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ وہ بچہ جو دینی اسباق پڑھتا ہے بلحاظِ اوصاف اس بچے سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہوتا ہے جو مسجد میں نہیں جاتا اور تعلیماتِ دین سے بے بہرہ

Marfat.com

رہتا ہے۔ میں یہ بات سن سنا کر نہیں کر رہا ہوں بلکہ پورے دس ہزار افراد کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ مراکزِ عبادت کی طرف رجوع کرنے والے اصحاب کی شخصیت دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہتر اوصاف سے متصف ہوتی ہے "۔

ڈاکٹر موصوف اسی پہ اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ بچے کو تعلیماتِ دین ذہن نشین کرانے کا صحیح وقت وہ ہوتا ہے جب وہ انہیں سمجھے بغیر قبول کر لیتا ہو کیوں کہ اس عمر میں بچے کے جذبات و احساسات بلند اقدار کے سامنے سر خمیدہ ہوتے ہیں لیکن اگر والدین اپنے بچوں کو پختگی کی عمر میں داخل ہونے کے بعد دینی اسباق کی طرف راغب کرنے کی کوشش کریں تو یہ ایک خطرناک اصول کی پیروی ہوگی کیونکہ جب بچہ ماحول کی ہر بات کو سمجھنے لگتا ہے۔ اُس وقت بہت سے فاسد اور باطل امور اُس پہ اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت اصلاح کی کوشش بالعموم کامیاب نہیں ہوتی۔ اصلاح کا وقت تو عمر کے وہی قیمتی سال تھے جنہیں وہ ضائع کر چکا۔

ضمیر بلا ایمان کی حقیقت بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تربیتِ اخلاق کے لئے ضمیر اپنی مجرد حیثیت میں بالکل کافی ہے اور اس کام کے لئے دین و ایمان کی کوئی ضرورت نہیں دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ محض ضمیر، دین و ایمان کا بدل بن سکتا ہے اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ یہ خیال باطل ہے۔ اس لئے کہ زندہ اور راہنمائی کے قابل ضمیر صرف وہی ہوتا ہے جسے تعلیماتِ دین نے مسائلِ حیات کا مکمل شعور بخشا ہو۔ جو حدودِ حلال و حرام سے پوری طرح باخبر ہو اور خطاء و صواب میں امتیاز کر سکتا ہو جس کی آواز ہر حال میں صداقت پہ مبنی ہو اور جو بہر قیمت اصولوں کی پاسبانی کرتا ہو۔ ان اوصاف سے متصف وہی ضمیر ہوتا ہے جو نورِ ایمان سے منور ہو۔ نورِ ایمان سے محروم ضمیر کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے استاذ اندریہ کریسن رقمطراز ہے "تمام خطہ ہائے ارضی کے رہنے والے تمام ادوار میں ضمیر کی آواز کو سنتے رہے ہیں مگر ان کے قلوب و ضمائر کبھی ہم آہنگ نہیں پائے گئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک زمانہ کے لوگ ایک چیز کو عین عدل اور سراپا خیر سمجھتے ہیں مگر بعد کے کسی دور میں اُسی چیز کو کچھ دوسرے حضرات منافیٔ عدل اور خیر سے یکسر تہی قرار دینے لگتے ہیں مثال کے طور پہ عہدِ قدیم کے یونانی غلامی کو جائز سمجھتے تھے، اور ان کے بہترین دل و دماغ بہائم کی طرح مردوں عورتوں اور بچوں کی خرید و فروخت کو بالکل فطری اور طبعی عمل سمجھتے تھے۔ قدیم روما کے قوانین دیگر مال و اسباب

Marfat.com

کی طرح بیوی بچوں کو بھی شوہر کی ملکیت قرار دیتے تھے اور بچوں کے باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی نومولود بچی کو مارکیٹ میں لے جائے اور فروخت کر دے بشرطیکہ اس کی کوئی اور بچی موجود ہو۔ تو یہ اپنے دور کے مہذب معاشروں کا حال تھا۔ ان لوگوں کا ضمیر انسانوں کی خرید و فروخت جیسے جرم پر انہیں ملامت نہ کرتا تھا۔ دوسری طرف قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا حال سنیئے یہ بزرگ ارتکاب جرم کے خیال کو بھی گناہ سمجھتے تھے۔ حقوق العباد کی اُن کے نزدیک اتنی اہمیت تھی کہ معمولی سا سلب و نہب بھی سنگین سزا پر منتج ہوتا اور آزاد انسانوں کی خرید و فروخت بھی ان کے ہاں نہایت قبیح فعل اور خلافِ قانون اقدام تھا

کہنے کا منشا یہ ہے کہ دین و ایمان کی روشنی کے بغیر ضمیرِ انسانی صحیح راہنمائی کے قابل نہیں ہوتا۔ یکساں نوعیت کے اعمال و افکار کے بارے میں تمدنی و معاشرتی حالات بدل جانے سے اُس کی رائے میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے۔ دور کیوں جائیں عربوں ہی کو دیکھ لیجئے۔ دورِ جاہلیت میں ان کا رہن سہن اُن کی پسند و ناپسند اور اُن کے صحیح و غلط کا معیار کچھ اور تھا۔ وہ شراب و قمار کے دلدادہ تھے حرام خوری اور حرام کاری سے اُن کی طبیعت ابا نہ کرتی تھی۔ اپنی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے میں انہیں کوئی قباحت محسوس نہ ہوتی تھی۔ عورتوں پر ظلم و ستم کرنا، یتیموں کا مال کھانا اور ذرا ذرا سی بات پر قتل و غارت گری پہ اتر آنا ان کے روز مرہ کے مشاغل تھے۔ ان تمام اعمالِ شنیع کا ارتکاب دن رات کرنے کے باوجود ان کا ضمیر کبھی ملامت نہ کرتا۔ مگر یہی عرب جب حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، اور دینِ فطرت کی تعلیمات کو جذب کرنے لگے تو ان کی زندگیوں کا رنگ ہی بدل گیا۔ اب ان کے خوب و ناخوب کا پیمانہ پہلے سے یکسر مختلف تھا اور اب ان کے ضمیر کی آواز وہ نہیں تھی جسے یہ کبھی سنا کرتے تھے۔

صدائے ضمیر کا یہ اختلاف اس حقیقت کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہے کہ ضمیر اپنی مطلق حیثیت میں فضائل اخلاق اور اعمالِ حسن کی اساس نہیں بن سکتا۔

بلاشبہ ضمیر ایک فطری قوت ہے اور ایک ملکۂ تمیز سے عبارت ہے مگر اس ملکہ کو معصوم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فرد کی زندگی میں عمر کے اختلاف سے، ایک ماحول سے دوسرے ماحول میں منتقل ہو جانے سے، عقل و شعور کے ترقی کر جانے سے، تہذیبی و تمدنی اثرات مرتب ہونے سے اور رفقاء و احباب کی تبدیلی سے اس فطری قوت کے اندازے اور تخمینے بھی بدل جاتے ہیں۔ اس کی سوچ کا رنگ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ حالات کے تغیر و تبدل سے ملکۂ تمیز کے ادراکات و احساسات

Marfat.com

میں زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے اور کسی ایک حالت پہ باقی نہیں رہتے۔ انہیں قرار و ثبات اور صحت و صواب سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اِس فطری قوّت اور ملکۂ تمیز —— یعنی ضمیر انسانی —— کو کسی ٹھوس اور پائیدار حقیقت سے مربوط و منسلک کر دیا جائے۔ ایسی حقیقت جو معصوم ہو اور ہر شائبہ عیب و خطا سے پاک ہو اور وہ دین و ایمان ہی ہو سکتی ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ دین و ایمان کے بغیر ضمیر ایک بے معنی چیز ہے۔

Marfat.com

اجتماعی اخلاق کے چند نمایاں پہلو

انفاق و ایثار معاشرتی زندگی میں جو اوصافِ حمیدہ ایک انسان میں ایمان کی بدولت پیدا ہوتے ہیں ان میں انفاق و ایثار نہایت نمایاں وصف ہے فطری طور پر ہر انسان میں انانیت کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور ہر کوئی ذاتی مفاد کا حریص ہوتا ہے یہاں تک کہ جوں جوں آدمی بوڑھا ہوتا ہے اس کی حرص اور خواہشاتِ نفس جوان ہوتی جاتی ہیں۔ خود خالق کائنات نے انسان کی اس کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۔ اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔ نیز یہ کہ وَاحضرت الانفس الشح ۔ نفس تنگ دلی و بخل کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لا بتغی ثالثا ۔ اگر آدم کے بیٹے کے پاس سونے سے معمور دو وادیاں موجود ہوں۔ پھر بھی وہ کسی تیسری وادی کی تلاش میں سرگرداں ہوگا۔ ذاتی منفعت کا یہی وہ رجحان ہے جس کے زیر اثر لوگ اپنے حقوق کو تو یاد رکھتے ہیں مگر اپنے فرائض کو یکسر بھلا دیتے ہیں اور پھر جب بخل و حرص کی یہ ذہنیت معاشرتی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو ایک دنیا کی دنیا نفسی نفسی پکارتی نظر آتی ہے مگر امتی امتی کہنے والا کوئی نہیں ملتا۔

اپنی ذات کو نفع پہنچانے کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ دنیا کی زندگی آرام اور سکون کے ساتھ گذرے، دکھ درد اور تکلیف میں دوسرے مبتلا ہوں تو ہوں مگر مجھے کوئی اذیت نہ پہنچے۔ جب تحفظِ ذات کا یہ جذبہ اپنی فطری حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو انسان کے اندر خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں ترقی و عظمت خاک میں مل جاتی ہے اور مدنیت و حضارۃ پر اضمحلال طاری ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو معاشرہ مجد و بزرگی کو فروغ دینا چاہتا ہے اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا خواہاں ہوتا ہے اسے ایسے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے جو دوسرے کے سکون و آرام کو اپنے سکون پر ترجیح دیں اور اس جد و جہد میں کبھی شکوہ نہ کریں بلکہ انہیں اس بات کی خوشی ہو کہ وہ دوسروں کے کام

Marfat.com

آرہے ہیں۔ صحت مند معاشرہ ایسے انسانوں کی کوششوں سے معرضِ وجود میں آتا ہے جو لینے کی بجائے دینا جانتے ہوں جو فرض کی ادائیگی کو طلبِ حق پر مقدم رکھتے ہوں، جنہیں مفادِ ملت میں دلیس کے بجائے غربت گوارا ہو، جو ضرورت کے موقع پر اپنا مال و اسباب بطیب خاطر نچھاور کر سکتے ہوں اور جو ملک و ملت کے عمومی مفاد پر ذاتی مصلحت کو قربان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے ہوں۔

ایسے انسان کہاں پائے جاتے ہیں؟ کس مدرسۂ فکر اور کس تربیتی ادارہ سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلتے ہیں؟ بخدا وہ اپنی نوعیت کا ایک ہی مدرسہ ہے، جسے ہم مدرسۂ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی مدرسہ کے فارغ اپنی خواہشاتِ نفس اور اپنی احتیاجات کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اپنی بھوک کو مٹانے کے لئے طعام کی معمولی مقدار اور اپنے ستر کو ڈھانکنے کے لئے بقدرِ ضرورت لباس پر قناعت کر لیتے ہیں یہ ایمان ہی کی تربیت ہے جو انہیں مالِ قلیل پر راضی کر دیتی ہے اور اس مال کے بذل و انفاق کا بھی حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ بلند اور پاکیزہ مقاصد کے لئے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں، اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیتے ہیں اور مطمئن ضمیر کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں اس لئے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد جنت ان کے انتظار میں ہے "و رضوان من اللہ اکبر"

مومن اللہ کی راہ میں کسی طرح کی سعی و جہد —— کیا مادی و اخلاقی اور کیا نفسی و بدنی — سے کبھی دریغ نہیں کرتا۔ کیونکہ از قسمِ ایثار اس کا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ کے ہاں اس کے حساب میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ کوئی ذرہ برابر نیکی بھی ضائع نہیں ہوتی۔ صداقت کی راہ میں اٹھنے والا ہر قدم اور بھلائی کی خاطر خرچ کی جانے والی پائی پائی حتیٰ کہ بھوک، پیاس اور تکان کا ادنیٰ احساس بھی اسے اجرِ عظیم کا سزاوار بنا دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا

"ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں اور منکرینِ حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں اور کسی دشمن سے عداوتِ حق کا کوئی انتقام وہ لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے یقیناً

Marfat.com

يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا۔ اسی طرح یہ بھی کبھی نہ ہوگا کہ (راہِ خدا) میں تھوڑا یا بہت کوئی خرچ وہ اٹھائیں اور (سعی جہاد میں) کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حساب میں اسے نہ لکھا جائے تاکہ اللہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ، انہیں عطا کرے۔"

(التوبۃ ۱۲۰-۱۲۱)

اس کے بعد یہ بات قابلِ تعجب نہیں رہتی اگر ہم دیکھیں کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ شباب و عروج میں قربانی و جہاد اور بذل و انفاق کے کیسے کیسے عظیم الشان ریکارڈ قائم کئے ہیں؟

اہلِ ایمان کے بذل و ایثار اور سعی و جہاد کے نمونے

حضرت ابو طلحہ رضؓ انصاری سورہ توبہ کی تلاوت کے دوران جب اس آیت پہ پہنچے "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (آیت ۴۱) تو اپنے جی میں کہنے لگے خفافاً و ثقالاً یعنی راہِ خدا میں جہاد کے لئے ہر حال میں نکلو۔ جوانی اور بڑھاپے میں بھی۔ فارغ البالی اور تنگ دستی میں بھی۔ اللہ نے تو کسی کا عذر نہیں سنا۔ چنانچہ اپنے بیٹوں سے کہنے لگے۔ میرے لئے سامانِ جہاد تیار کرو۔ انہوں نے کہا: ابا جان اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے رہے تا آنکہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی وفات پا گئے بعد ازاں حضرت عمرؓ کے دوش بدوش آپ اُن کے انتقال تک راہِ خدا میں لڑتے رہے تو ساری عمر آپ نے جہاد میں بسر کی ہے اب آپ رہنے دیں ہم آپ کی جگہ پہ جہاد کریں گے مگر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نہیں۔ میرے لئے سامانِ جہاد تیار کرو چنانچہ انہوں نے سامانِ حرب تیار کر دیا اور جناب ابو طلحہؓ ایک بحری مہم پہ فوج کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ سمندر ہی میں آپ نے بحالتِ جہاد وفات پائی اور ایک جزیرے میں دفن کئے گئے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لئے اس حالت میں نکلے کہ ان کی ایک آنکھ کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ چونکہ علیل ہیں اس لئے گھر پہ ہی رہیں مگر

Marfat.com

انہوں نے مندرجہ بالا آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر حال میں شریک جہاد ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اگر میں حرب و قتال میں کوئی زیادہ کام نہ کر سکا تو میری موجودگی سے مسلمانوں کی فوج کی تعداد تو ضرور زیادہ نظر آئے گی اور میں ساز و سامان کی حفاظت میں معاونت کر سکوں گا۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک غزوہ میں باپ اور بیٹا دونوں بیک وقت شرکت کے لئے انتہائی آرزومند نظر آتے تھے مگر صورت یہ تھی کہ ان دونوں میں سے ایک ہی کو شرکت کی اجازت مل سکتی تھی چنانچہ اس امر کے فیصلے کے لئے قرعہ ڈالا گیا اور وہ بیٹے کے نام نکل آیا۔ باپ نے بیٹے سے حسرت بھرے انداز میں فرمایا بیٹا مجھے اپنے آپ پہ فوقیت دو۔ کیوں کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ بیٹے نے کہا اے ابا یہ تو جنت کا معاملہ ہے۔ خدا کی قسم اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا تو میں یقیناً آپ کو ترجیح دیتا۔

حضرت عمروؓ بن الجموح انصاری بہت زیادہ لنگڑا کر چلتے تھے ان کے چار جوان بیٹے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حصّہ لیتے تھے۔ غزوۂ احد کے موقع پہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا اب کے میرے لئے بھی سامانِ جہاد تیار کرو۔ بیٹوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار دیا ہے لہٰذا آپ گھر پہ ہی تشریف رکھیں۔ جہاد کے لئے ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ جب بات بنتی نظر نہ آئی تو حضرت عمروؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بیٹے مجھے جہاد میں حصّہ لینے سے منع کرتے ہیں مگر میں بخدا شہید ہو جاؤں گا اور اسی لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا جنت میں پہنچوں گا رسولِ پاکؐ نے یہ سن کر فرمایا: لیکن آپ پہ تو جہاد فرض ہی نہیں۔ پھر آپؐ ان کے بیٹوں سے مخاطب ہوئے۔ اگر یہ جہاد میں شرکت کریں تو آپ کو اس پہ کیا اعتراض ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں شہادت کی نعمت سے سرفراز فرمادے۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن الجموح نے غزوہ میں شرکت کی اور شہادت پائی۔ انہیں کے بارے میں آپؐ نے انصار سے فرمایا تھا: اے گروہِ انصار آپ میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اللہ کی قسم کھا کر کسی کام کا عزم کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔ عمروؓ بن الجموح ان میں سے ایک ہیں۔

اور یہ حضرت مصعبؓ بن عمیر ہیں۔ خوشحال ترین والدین کے بیٹے، ناز و نعمت میں پلے ہوئے۔ ماں باپ اُن سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انہیں بہترین کھانا کھلاتے، عمدہ لباس پہناتے، مکّہ کی جس گلی سے گذر جاتے فضا معطر ہو جاتی۔ یہی وہ ناز پروردہ نوجوان تھے جنہوں نے دارِ ارقم میں

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا اور مصائب و آلام سے دوچار ہو گئے۔ والدین اور اعزہ و اقارب نے انہیں پکڑ کر قید کر لیا۔ مارا پیٹا۔ گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کا رخ کیا اور بہت کچھ تنگی کی زندگی بسر کرتے رہے غزوہ احد میں شرکت کی اور شہادت کی دولت سے ہمکنار ہوئے۔ بے سروسامانی اور کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ کفن کے لئے دو گز کپڑا میسر نہیں آ رہا تھا۔ ایک ناتمام سی چادر تھی جس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپنے کی کوشش کی جاتی تو سر کھلا رہ جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کا یہ منظر آیا تو آپ بے اختیار رو دیئے۔ اشکبار آنکھوں کے ساتھ آپ نے فرمایا: اے مصعب میں نے تمہیں مکہ میں دیکھا تھا جب تم سے زیادہ ثمین و رقیق لباس کسی کا نہ ہوتا تھا جب تمہارے سر کے بال عطر میں بسے ہوئے ایک شان حسن و جمال لئے ہوئے ہوتے تھے مگر اب تم ایک ایک کھردری چادر کے نیچے پراگندہ بال پڑے ہو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ صلے وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا	ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

غور فرمایئے عیش و عشرت کی وہ زندگی تج کر ان پر صعوبت حالات کو قبول کر لینا کتنا بڑا ایثار تھا کتنی عظیم الشان قربانی تھی اسلام کے اولین داعی اگر ایسی قربانیاں دینے سے گریز کرتے تو حق و صداقت کی آواز چار دانگ عالم میں کبھی نہ پھیلتی اور اجتماع و معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے اہل حق کو ایسی قربانیاں دینے کے قابل کس چیز نے بنایا تھا؟ ایمان اور صرف ایمان نے۔

اس کے بعد بذل و انفاق مال کا ایک واقعہ سنیئے۔

حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا تو حضرت ابوالدحداح نے عرض کی: یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں حالاں کہ وہ ذات قرض سے بے نیاز ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ ہی قرض

Marfat.com

مانگتے ہیں تاکہ اس کے بدلے میں وہ تمہیں جنت میں داخل کرے۔ انہوں نے عرض کی تو میں اپنے پروردگار کو قرض دیتا ہوں کیا وہ مجھے اور میری بچی دحداحہ کو دخول جنت کی ضمانت دیتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! حضرت ابوالدحداح نے کہا ...... تو لائیے اپنا دست مبارک آگے کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو پکڑ کر کہنے لگے: دو باغ میری ملکیت ہیں ایک مدینہ کے زیریں علاقہ میں اور دوسرا بالائی حصے میں۔ ان دو باغوں کے علاوہ بخدا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ میں یہ دونوں باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے ایک راہِ خدا میں دے دو اور دوسرا اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزر اوقات کے لیئے رکھ لو۔ اس پر حضرت ابوالدحداحؓ نے کہا تو پھر یا رسول اللہؐ ان میں سے جو بہتر ہے وہ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں آپ گواہ رہیں۔ اس باغ میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں۔" رسولِ پاکؐ نے فرمایا: اس بذل و انفاق کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت دے گا ابوالدحداح یہ کہہ کر چل دیئے۔ اور باغ میں پہنچے جہاں ام الدحداح اپنے بچوں کے ہمراہ کھجور کے درختوں میں گھوم پھر رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت ابوالدحداح پکار اٹھے ؎

اقرضتہ اللہ علی اعتمادی	بالطوع لا منّ ولا ارتداد
الا رجاء الضعف فی المعاد	فارتحلی بالنفس والاولاد
والبرُّ لا شکّ فخیرُ زاد	قدمہ المرءُ الی المعاد

(ترجمہ) میں نے یہ باغ اللہ کو بطور قرض خوش دلی سے دے دیا ہے نہ کوئی احسان کیا ہے اور نہ واپس لینے کی خواہش رکھتا ہوں۔ میں نے اس اعتماد اور اس امید کے ساتھ یہ قرض دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں مجھے اس سے کئی گنا زیادہ عطا کریں گے۔ لہٰذا تو بال بچوں کو لے کر اس باغ سے نکل جا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ دہی نیکی بہترین زادِ راہ ہے۔ جسے آدمی آخرت میں اجر پانے کی غرض سے کرے۔

ام الدحداح یہ سنتے ہی خاوند کی تحسین و تبشیر کرتے ہوئے بچوں کو لے کر باغ سے نکل گئی اور بچوں کے جیب و دامن میں جو کھجوریں تھیں اور جو اُن کے منہ میں تھیں سب نکلوا کر وہیں ڈھیر کر دیں۔ تاریخ اسلام اس طرح کے نمونوں سے بھری پڑی ہے۔ سعی و جہد، قربانی و ایثار اور بذل و انفاق کے عظیم نمونوں سے جو محض ایمان کی بدولت، عالمِ وجود میں آتے ہیں۔

Marfat.com

ایمان اور جذبۂ رحمت

ایمان کے زیرِ اثر جو اجتماعی اخلاق نشو و نما پاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں اور ممتاز خلق رحمت اور کرم کا جذبہ ہے کسی کمزور کو دیکھ کر دل میں رقت کا پیدا ہو جانا۔ کسی کو غمگین و حزیں پا کر تڑپ اٹھنا کسی غریب و مسکین سے محبت و شفقت سے پیش آنا اور کسی پریشان حال کی طرف دستِ تعاون بڑھانا اسی جذبۂ ترحم کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ یہی جذبہ انسان کو ایذاء رسانی سے دور رکھتا ہے، جرم و گناہ سے نفرت دلاتا ہے اور اسے ایک مصدرِ خیر و صلاح اور مرکزِ امن و سلامتی بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایک مومن کے اندر خاص طور پر یہ جذبہ اس لیئے ظہور و نفوذ کرتا ہے کہ اللہ پر ایمان لا کر وہ اخلاق اللہ سے متخلق ہونا چاہتا ہے اور رحم، اخلاق اللہ میں سب سے نمایاں اور غالب خلق ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں،

وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ۝ اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے

قرآن حکیم میں اللہ کے رحمان و رحیم ہونے کا تذکرہ جگہ جگہ ملتا ہے۔ قرآن کی تو ایک سو تیرہ سورتوں کا آغاز ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے۔ ان سورتوں میں اللہ کی رحمت کا بیان اس پر مستزاد ہے۔ پھر ہر نمازی فرض رکعتوں میں ہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے مذکورہ اسمائے حسنیٰ کو چونتیس [۳۴] مرتبہ زبان سے ادا کرتا ہے سنن و نوافل کی ادائیگی کی صورت میں یہ تعداد دگنی چوگنی ہو جاتی ہے۔ ان کو بار بار زبان سے سے ادا کر کے، امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق — مومن کے اندر یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہر محتاج کی رفع احتیاج کے لیئے مقدور بھر کوشش کرے۔ اپنے محلے یا شہر کے کسی غریب اور مسکین کو دیکھے تو اس کی غربت و مسکنت کو دور کیئے بغیر نہ چھوڑے یا خود مال دے کر کرے یا کسی سے مال دلائے یا کسی کے پاس جا کر اس کے لیئے سفارش کرے اور اگر کچھ بھی نہ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کرے کہ باری تعالیٰ اپنے اس بندے کے حال پر رحم فرما۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے اس کثیر تذکرہ سے اللہ پر ایمان رکھنے والا ہر شخص بہت کچھ اخذ و استفادہ کرتا ہے اور آگے چل کر مخلوقِ خدا اس کے جذباتِ رحم و تلطف سے بیش از بیش فیضیاب ہوتی ہے۔

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

مومن جو اللہ کی رحمت کا ہمیشہ محتاج اور طلبگار رہتا ہے اور جس کی دنیوی فوز و فلاح اور اخروی نجات و مغفرت کا تمام تر دار و مدار رحمتِ حق پر ہی ہے، اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سزاوار صرف وہی بندہ ہوتا ہے جو مخلوقِ خدا پر مہربان ہو۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

إنما يرحم الله من عباده الرحماء — بے شک اللہ تعالیٰ رحیم وشفیق بندوں پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔

نیز یہ کہ:

ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء — تم ساکنانِ ارض کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ان تعلیمات کے پیشِ نظر مومن کا رحم وشفقت کا برتاؤ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ حیوانات ونباتات سب اس کے جذبۂ رحم سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت عمر رضی نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی بکری کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹے لیے جا رہا تھا تاکہ ذبح کرے۔ آپ نے فرمایا

ويلك قدها الى الموت قودا جميلا — تم پر افسوس ہے اسے مذبح کی طرف لے جا رہے ہو تو بھلے طریقے سے لے جاؤ۔

فتح مصر کے دوران حضرت عمرو رضی بن العاص کے خیمے پر ایک کبوتری نے آشیانہ بنا لیا۔ آنجناب نے جب کوچ کا ارادہ کیا تو اس خیال سے کہ کبوتری کا گھونسلا نہ ٹوٹ جائے خیمہ کو اکھاڑ کر کے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جگہ پر ہی قائم رہنے دیا۔ بعض ازاں اسی خیمہ کے ارد گرد آبادی شروع ہو گئی اور ایک شہر تعمیر ہو گیا جس کا نام "الفسطاط" تھا۔

خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی بن عبدالعزیز نے بلا ضرورت گھوڑوں کو ایڑ لگانے سے حکماً روک دیا تھا نیز آپ نے شاہراہوں کے ناظم کو لکھا "کہ جانوروں کو بھاری بھر کم لگام نہ ڈالی جائے۔ علاوہ ازیں چابک کے نچلے حصہ میں لوہا نہ لگایا جائے"۔ اسی طرح والیٔ مصر کو آپ نے لکھا "مجھے اطلاع ملی ہے کہ باربرداری کے اونٹوں پر ایک ایک ہزار رطل بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ میرا یہ مکتوب موصول ہوتے ہی آئندہ کے لئے کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زائد بار نہ لادا جائے"۔

اور یہ حضرت ابوبکر رضی الصدیق ہیں۔ جیشِ اسامہ رضی کی روانگی کے وقت حضرت اسامہ رضی کو نصیحت کرتے ہیں "دیکھنا کسی عورت کو قتل نہ کرنا کسی بوڑھے اور بچے کو نہ مارنا، کھجور کا درخت ہو یا کوئی اور پھل دار درخت اسے کاٹنے سے احتراز کرنا نیز اگر کچھ لوگ عبادت گاہوں میں مصروفِ عبادت پاؤ تو انہیں بھی کچھ نہ کہنا

Marfat.com

جب تک وہ تمہارے قتل کے درپے نہ ہوں۔"

اجتماعی زندگی میں مسلمانوں کی رحمدلی کے یہ نمونے ہیں جن کی تربیت اور نشوونما کا تمام تر سہرا ایمان کے سر ہے۔

اسلامی معاشرہ میں آثارِ رحمت وشفقت

ایمان دلوں میں رحمت و مودت کا جو بیج بوتا ہے اس کے نتیجے میں اہل ایمان ایسے امورِ خیر انجام دیتے ہیں جو ان کی زندگی میں بھی خلق خدا کو نفع بخشتے ہیں اور ان کی موت کے بعد بھی فیض رسانی کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ وہ ہسپتال اور شفاخانے تعمیر کرتے ہیں سکول اور کالج بناتے ہیں، دارالامان اور یتیم خانوں کی سرپرستی کرتے ہیں، غریب، مسکین اور یتیم بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں اور ان کی دیگر احتیاجات کو بھی پورا کرتے ہیں۔ مساجد اور سرائیں تعمیر کراتے ہیں اور پُل اور تالاب بنواتے ہیں۔ اسی طرح بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی مہیا کرنا، ننگوں کو لباس پہنانا، بیماروں کا علاج کرانا، لاوارث میتوں کو سپردِ خاک کرنا اور محروم لوگوں کی مالی اعانت کرنا بھی ان کے دلپسند مشاغل ہوتے ہیں۔ بعض اہلِ ثروت مدارس و مساجد کے نام بڑی بڑی جاگیریں اور جائیدادیں وقف کر دیتے ہیں جو مدت مدید تک ان اداروں کے لئے مضبوط سہارا ثابت ہوتی ہیں۔ یہ آثارِ رحمت اسلامی معاشرہ میں قدم قدم پر دکھائی دیتے ہیں۔

مادہ پرستوں کی قساوتِ قلبی

خدا پرستوں کے جذباتِ رحم و تلطف کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ایک نظر مادہ پرستوں کی درندگی و قساوتِ قلبی کا بھی جائزہ لیتے جائیے۔ معروف صحافی علی امین لکھتا ہے "لینن کی موت کے بعد اشتراکی پارٹی کی گورننگ باڈی نے بالاتفاق سٹالن کو سربراہ منتخب کیا اور سٹالن نے اس گورننگ باڈی کے تمام ممبران کو قتل کروا دیا اور لینن کے تمام وزراء کو بھی تہمتِ خیانت سے متہم کرتے ہوئے ہلاک کر دیا۔ مزدور یونینیں جو اسے مبارک باد دینے کے لئے جمع ہوئی تھیں اُن کے اسی فیصد سیکرٹریوں کو تہ تیغ کر دیا۔ ۱۹۳۶ء کی دستور کمیٹی کے ۲۷ میں سے ۱۵ ممبران کو مروا ڈالا کمیونسٹ پارٹی کے ترپن ۵۳ میں سے تینتالیس ۴۳ سیکرٹریوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ سوویٹ روس کی مجلس دفاع کے اسی میں سے ستر ممبران کو ہلاک کر دیا۔ سرخ فوج کے پانچ میں سے تین مارشلوں کو قتل کر دیا ۱۹۳۶ء میں مجلسِ وزراء کے گیارہ میں سے نو ارکان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سرخ فوج کے ۶۰٪ کمانڈروں کو اور تیس ۳۰ ہزار سرکاری ملازمین کو ہلاک کر دیا۔"

Marfat.com

یہ قتل و غارت گری اشتراکی نظام کا جزو لاینفک ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ روس کے کارفرما خدا اور اس کی تعلیمات کے منکر ہیں وہ تعلیمات جو انسان کو انسانیت کا درس دیتی ہیں اور اسے مکارم اخلاق سے آراستہ کرتی ہیں۔ ظلم و سفاکی کی ان مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبۂ ترحم ملاحظہ فرمائیں سبائیوں نے جس وقت خلیفہ راشد کے مکان کا محاصرہ کیا تو آپ کے پاس بعض ایسے جاں نثار موجود تھے جو ان باغیوں کو تہ تیغ کر دینے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے مگر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے ان کے ہاتھ روک دیئے کہ اگر ایک مرتبہ تلوار نیام سے باہر آگئی تو پھر خونریزی کا بند کرنا مشکل ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر تلوار سونت لی اور سبائیوں پر حملہ کرنے کی غرض سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر حضرت عثمانؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ اسی طرح زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انصار کی جمعیت کے ساتھ خلیفہ راشد کے حضور میں باغیوں کو تہس نہس کرنے کی پیشکش کی مگر انہوں نے اس مسلح سرکوبی کے عواقب کو سامنے رکھتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔

حضرت عامرؓ بن ربیعہ کا ارشاد ہے کہ وہ سبائیوں کی یلغار کے وقت حضرت عثمان کے پاس موجود تھے۔ مگر انہوں نے ہمیں ان الفاظ کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع فرمایا۔

"یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس پر میری اطاعت لازم ہے اسے مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اپنے اس طرز عمل پر نظر ثانی کے لئے کہا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں ہی میں مباح ہو سکتا ہے۔ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کی صورت میں۔ قتل ناحق اور شادی شدہ شخص کے زنا کرنے کی صورت میں۔"

پھر انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ بتاؤ کہ میں ان تینوں میں سے کس بنیاد پر تمہیں لوگوں کا خون بہانے کی اجازت دوں۔

ایمان کے محسوس نتائج | بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین و ایمان مجرد عقائد کا نام ہے جو انسان کو زندگی کی حرکت اور حرارت سے محروم رکھتے ہیں اس کی خواہش و محبت دنیا کو مٹا دیتے ہیں اور اس کے اندر عمل اور

Marfat.com

جد وجہد کے لئے کوئی رغبت باقی نہیں رہنے دیتے۔ ایمان کے بارے میں یہ مغالطہ جہالت کا پیدا کردہ ہے کیونکہ حقیقت ایمان محض ایک ذہنی تصدیق قلبی کا نام ہی نہیں بلکہ عمل اور جد وجہد سے بھی عبارت ہے۔ عمل ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ عمل دینوی کامیابی اور اخروی سعادت کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ — اور یہ وہ جنت ہے جس کا وارث تمہیں بنایا گیا ہے اس لئے کہ تم عمل کرتے تھے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ — کسی جان کو معلوم نہیں، آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والے جو سازوسامان ان کے لئے پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے

یہ تو تھا اخروی سعادت کا عمل پر موقوف ہونا۔ جہاں تک دنیوی کامیابی کا تعلق ہے وہ بھی عمل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ تعلیمات اسلام میں محنت مزدوری اور ہاتھ سے کام کرنے کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ کس چیز کی غماز ہے؟ تجارت اور کاروبار کے جو اصول وضع کئے گئے ہیں اور شرکت و مضاربت اور لین دین کی جو صورتیں متعین کی گئی ہیں وہ آخر کن لوگوں کے لئے ہیں؟ کیا ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے والوں کے لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وقتال یہ سب امور جو ایک مسلمان کی دینوی کامرانی کے ضامن ہیں کیا عمل کے بغیر انجام پا سکتے ہیں۔ حکومت وسلطنت کے فرائض، امن وامان کا قیام، عمال و ولاۃ کا عزل ونصب قضاۃ کا تقرر اور پولیس اور فوج کی تشکیل یہ سارے کام عمل مسلسل ہی کا تو تقاضا کرتے ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ ایمان نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر وقت چاک وچوبند اور مستعد رکھتا ہے بلکہ وہ اس کی سعی وعمل کو صحیح سمت میں لگا کر اسے عبادت کا درجہ دیتا ہے جس سے آدمی نہ جی چراتا ہے اور نہ تھکتا ہے اور عبادت کا پاکیزہ محرک اسے ہر آن ایک ولولۂ تازہ سے سرشار رکھتا ہے۔

مومن، خوف خدا کے زیر اثر کام کو اچھی طرح انجام دیتا ہے

مومن جس کام میں بھی ہاتھ ڈالے اسے بے دلی سے کبھی نہیں کرتا بلکہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ ممکن حد تک مفوضہ ذمہ داری سے بطریق احسن عہدہ برآ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام کارندے تو اپنے آپ کو صرف اپنے مالک کے سامنے ہی جواب دہ سمجھتے ہیں، مگر مومن اپنے مالک کے ساتھ ساتھ اپنے آقائے حقیقی

Marfat.com

(اللہ تعالیٰ) کے روبرو بھی خود کو مواخذہ و محاسبہ کے لئے تیار رکھتا ہے بنابریں وہ کسی قیمت پر بھی خیانت و بدعہدی کا مرتکب نہیں ہوتا اور نہ ادائے فرض میں دانستہ کوئی کوتاہی کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ یحب اذا عمل احدکم عملا ان یتقنہ ۰ — تحقیق اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی شخص کسی کام کو کرے تو خوب اچھی طرح کرے

ادائے فرض میں استقامت لوگ کھیل تماشوں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ ضائع کر دیتے ہیں۔ حرام اور ناجائز امور میں منہمک رہتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور رات گئے تک گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ غرض خواہشات نفس کے ہاتھ میں اپنی زندگی کی باگ ڈور دے دینے سے لوگ ادائے فرض میں کبھی استقامت نہیں دکھاتے اور نہیں دکھا سکتے کیونکہ وہ اپنی جسمانی و عقلی قوتوں کو بے جا استعمال کر کے اس قابل نہیں رہتے کہ اپنے روزمرہ کے مشاغل حسن و خوبی سے انجام دے سکیں ایک مثال عرض ہے اخبارات میں آچکا ہے کہ امریکہ میں سات کروڑ بیس لاکھ افراد نشہ کرتے ہیں جن میں سے دو کروڑ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ نتیجہ صرف شراب کی لت کا ہے ایسے ہی دوسرے بیہودہ مشاغل میں انہماک بحیثیت مجموعی قومی و معاشرتی سطح پر جس نقصان عظیم کا موجب بن سکتا ہے اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

اس کے برعکس مومن اپنے اوقات کی قدر و قیمت کا خوب احساس رکھتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں اس سے اور سوالات کریں گے وہاں ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ تو نے اپنی عمر کن کاموں میں کھپائی اور اپنا عہد شباب کیسے گزارا؟ بنابریں ایماندار اپنے وقت کو ضائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ آج کا کام آج ہی ختم کرے نیز آج کی کارکردگی گزرنے والے کل سے بہتر ہو۔ علاوہ ازیں وہ صرف ان کاموں میں ہی دلچسپی نہیں لیتا جن کا فائدہ جلد حاصل ہوتا نظر آتا ہو بلکہ وہ ایسے امورِ خیر بھی انجام دیتا ہے جن کی نفع بخشی و فیض رسانی کا سلسلہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ رسول پاکؐ کے مشہور صحابی عمر کے آخری حصے میں اخروٹ کا ایک درخت لگا رہے تھے۔ ایک آدمی نے دیکھا تو کہنے لگا آپ یہ پودا لگا رہے ہیں درآنحالیکہ آپ بہت بوڑھے ہیں اور یہ درخت تو اتنے اور اتنے سالوں کے بعد جا کر پھل دیا کرتا ہے۔" حضرت ابو الدرداءؓ

Marfat.com

نے فرمایا ، میرا کیا نقصان ہے اگر اس کا ثواب مجھے مل جائے اور اس کا پھل میرے علاوہ کسی اور کو حاصل ہو۔

مومن خدا کی زمین کو آباد کرتا ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مومن تکیئے کے درویش یا غاروں اور کھوہوں میں بیٹھ رہنے والے لوگ ہوتے ہیں جنہیں معاملات زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ نرا مفروضہ ہے اور بالکل غلط ہے۔ اگرچہ بعض مذاہب میں ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن کو عبادت کے لئے مخصوص کر لیا گیا ہے لیکن اسلام کسی ایسی تخصیص کا قائل نہیں۔ جمعہ کا دن جس کو بلحاظ عبادت اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے ــــ بھی سارے کا سارا عبادت کے لئے وقف نہیں کیا گیا۔ بلکہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد حکم ہے۔

فَانتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ ○ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو آباد اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اور نہیں پسند کرتے کہ لوگ گیان دھیان میں کچھ اس طرح مستغرق ہو جائیں کہ انہیں دنیا و مافیہا سے کوئی واسطہ نہ رہے اور ہاتھ توڑ کر بیٹھے رہیں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کے ایک کونے میں سر چھپائے بیٹھے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے جواب دیا۔

نَحْنُ المتوکلون علی اللّٰہ ہم اللہ پہ توکل کرنے والے لوگ ہیں

حضرت عمرؓ نے اپنے مشہور دُرّہ کو حرکت دی اور انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا! خبردار اگر تم میں سے کسی نے طلب رزق سے کنارہ کشی اختیار کی اور اللہ سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ مجھے بیٹھے بٹھائے ہی رزق دے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوا کرتی۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد نہیں کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سعی و عمل اور جد وجہد سے دستکش ہو جائے اور نہ ایمان بالآخرۃ کا ہی یہ مفہوم ہے کہ دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ زراعت پیشہ تھے، تاجر تھے، کاریگر اور ہنرمند تھے ان میں سے کسی کو بھی ہم توکل و قناعت کے اس مفہوم پہ عمل پیرا نہیں دیکھتے کہ کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ میاں خود بخود دیں گے۔ انہوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو پلّے باندھ رکھا تھا کہ اگر قیامت برپا ہو جائے اور تم میں سے

Marfat.com

کسی کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ ہو تو اسے اگر زمین میں گاڑ سکو تو ضرور گاڑ دو"۔ غور فرمایئے رسول پاکؐ نے کس کس طرح اپنے صحابہ میں زندگی کی حرارت اور حرکت پیدا کی اور حرکت بھی وہ جس سے بظاہر انتفاع کی کوئی امید نہ ہو۔

توکل کا صحیح مفہوم

بعض لوگ توکل کا مطلب ترکِ اسباب لیتے ہیں۔ جو کسی طرح بھی درست نہیں توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنی سی پوری کوشش کرے اور ممکن حد تک ذرائع و وسائل کو استعمال کرنے کے بعد نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ پہ انحصار کرے اور یہ نہ سمجھے کہ میری کوشش ہی مطلوبہ نتائج کی ضامن ہے۔ جیساکہ اعرابی والے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ اس نے مسجد کے دروازہ پر اپنا اونٹ کھلا چھوڑ دیا اور یہ گمان کیا کہ یہ توکل ہے۔ اس پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِعقلھا وتوکل۔ اسے رسی سے باندھ پھر اللہ پر توکل کر بعض لوگ اِس حدیث سے ترک اسباب کا نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر تم اللہ پر توکل کرو جیساکہ توکل کا حق ہے تو اللہ تمہیں بھی اسی طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبحدم خالی پیٹ اپنے آشیانوں سے نکل جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں" لیکن اگر معمولی غور فکر سے کام لیا جائے تو صورت اِس کے برعکس نظر آتی ہے۔ پرندے آشیانوں سے نکلتے ہیں تو پھر ان کی شکم سیری کا بندوبست ہوتا ہے۔ آشیانوں میں بیٹھے بیٹھے تو اِن کے پیٹ نہیں بھر جاتے۔ ترکِ اسباب کا اثبات اِس حدیث سے اُس صورت میں ہو سکتا تھا اگر رسولِ پاکؐ یہ فرماتے کہ پرندے صبح دم خالی پیٹ اپنے آشیانوں میں ہی بیٹھے رہتے ہیں اور سیر ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

ایمان ایک عظیم قوت

دنیا میں انسان کے پیش نظر بیسیوں مقاصد ہوتے ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے اسے متواتر جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ اس تگ و دو اور کشمکش کے دوران اسے قدم قدم پہ اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا ہے جو اسے کسی بڑی قوت کا سہارا لینے پہ مجبور کرتا ہے۔ ایسی قوت جو ہر مشکل مرحلہ پہ اس کی دستگیری کرے اس کی راہ کے خطرات کو دور کر دے اور سفر زندگی کی گہری تاریکیوں میں تا حد نظر اجالا کر دے۔

وہ قوت بس ایک ہی قوت ہے۔ عقیدہ و ایمان کی قوت۔ اس قوت کی بدولت بندۂ مومن اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اللہ کے فضل کی اسے امید ہوتی ہے۔ اللہ کے عذاب سے وہ ڈرتا ہے وہ تنہا ہو کر بھی بڑا قوی ہوتا ہے کیونکہ اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ مفلس و تہی دست ہونے کے باوجود غنی ہوتا ہے۔ تن تنہا رہ کر بھی اپنے آپ کو غالب و توانا محسوس کرتا ہے اور جب سفینۂ حیات کسی گرداب میں پھنس جاتا ہے تو وہ کسی اضطراب کا شکار نہیں ہوتا۔ بلکہ پہاڑ کی سی مضبوطی و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ کی حیرت انگیز طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

لو عرفتم اللہ حق معرفتہ لزالت   اگر تم اللہ کی معرفت کما حقہٗ حاصل کر لو تو تمہاری

بدعائکم الجبال۔   دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔

فرد کے اندر قوت کا یہ خزانہ دراصل معاشرہ کی قوت کا مصدر و ماخذ ہے اور وہ معاشرہ کتنا سعادت مند ہے جس کے افراد قوت و رسوخ کے اس درجہ پہ فائز ہوں اس کے برعکس قوت ایمان سے محروم کمزور دل، بے ہمت اور درماندہ لوگوں کا معاشرہ کتنا شقی و بدبخت معاشرہ ہے جس میں کوئی اپنے دوست کی مدد نہیں کرتا اور نہ اپنے دشمن کو ڈرا دھمکا سکتا ہے۔

مومن کے نزدیک قوت کے مصادر ۱۔ الایمان باللہ " اللہ قوی و قدیر ہے اور علی و کبیر بھی جو اس پہ ایمان لائے، اس پہ بھروسہ کرے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا پختہ اعتقاد رکھے اللہ کبھی

Marfat.com

اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔

وکان حقا علینا نصر المومنین — اور ایمانداروں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم — اور جس کی اللہ مدد کرے اس پہ کوئی غالب نہیں آسکتا

۲۔ الایمان بالحق۔

مومن کی قوت کا دوسرا بڑا ماخذ اس کا حق وصداقت پہ ایمان ہے۔ وہ خواہش نفس کے زیر اثر کوئی کام نہیں کرتا۔ نہ ذاتی منفعت نہ جاہلی عصبیت اور نہ ظلم و زیادتی اس کے اعمال کی محرک ہوتی ہے بلکہ وہ اُس حق کے لئے سب کچھ کرتا ہے۔ جس پہ سمٰوات والارض قائم ہیں اور جہاں حق ہوگا وہاں کوئی دوسری چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ قادسیہ کی لڑائی میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سفیر ربعیؓ بن عامر جب ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے خدم وحشم اور اس کے لشکری سونے چاندی میں لدے پھندے اس کے ارد گرد دست بستہ کھڑے ہیں۔ مگر جناب ربعی بن عامر کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور اپنے کوتاہ قامت گھوڑے، اپنی ہوٹی چھوٹی ڈھال اور اپنے معمولی لباس کے ساتھ رستم کے پاس جا پہنچے۔ اس نے سوال کیا تم کون ہو؟ اللہ کے اس بندے نے پوری قوت سے کہا: ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے کہ ہم اس کی مخلوق کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلامی میں دیدیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر کشائش سے ہمکنار کریں اور باطل ادیان اور طاغوتی قوتوں کے ظلم و جور سے بچا کر اسلام کے سایۂ رحمت میں لے آئیں۔ کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں ——— ربعیؓ بن عامر کے اندر یہ کیا چیز بول رہی تھی۔ رستم ایران کے سامنے اُن کا یہ بے باکانہ طرزِ تخاطب کس بنا پہ تھا؟ صرف اس بنا پہ کہ وہ حق صداقت کے نمائندہ اور علمبردار تھے۔ اور قوتِ حق وصداقت نے اُن کے اندر یہ شجاعت اور بیباکی پیدا کر دی تھی۔

۳۔ ایمان بالخلود۔

انسان کے اندر جو مختلف چیزیں جبن وضعف اور انحطاط پیدا کر دیتی ہیں ان میں سے ایک اُس کا یہ احساس بھی ہے کہ وہ فانی مخلوق ہے۔ کہیں فنا نہ ہو جائے اس کا کوئی اقدام اس کی موت کا پیغام نہ بن جائے۔ لیکن مومن زندگی کو اسی دنیا کی زندگی تک محدود نہیں سمجھتا بلکہ وہ از روئے ایمان ویقین اس کا

Marfat.com

سلسلہ ناقابلِ بیان حد تک پھیلا ہوا دیکھتا ہے۔ موت اس کی نظر میں ایک پردہ ہے جس کے پیچھے زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کا احساس اسے بزدل نہیں بناتا اس کے برعکس وہ آگے بڑھ کر موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ کیونکہ موت آجانے سے وہ ابدی زندگی اور اس کی نعمتوں کو پالیتا ہے۔ حضرت عمیرؓ بن الحمام انصاری غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ کسی موقع پر ایک طرف کھڑے کھجوریں کھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے:

والذی نفسی بیدہٖ	اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان
ما من رجل یقاتلھم	ہے جو آدمی بھی آج ان سے (مشرکین) لڑے
الیوم فیقتل صابرا	اور نتیجتہً قتل ہو جائے اس حال میں کہ وہ
محتسبا مقبلا غیر	صابر ہو۔ ثواب کی نیت سے لڑائی میں حصہ
مدبرا الا ادخلہ اللہ	لے رہا ہو پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھنے
الجنۃ۔	والا ہو۔ اللہ اسے جنت میں داخل کر دیں گے

اور حضرت عمیرؓ کے منہ سے بے اختیار نکلا بخ بخ (کلمہ تعجب ہے) رسول پاکؐ نے فرمایا۔ اے ابن الحمام کس بات پر تعجب کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی تو کیا یا رسول اللہؐ میرے اور جنت کے درمیان صرف موت ہی حائل ہے۔ یعنی آگے بڑھ کر لڑائی کروں اور مارا جاؤں۔ رسولِ پاکؐ نے فرمایا۔ تو اور کیا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمیرؓ نے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں پھینک دیں اور کہنے لگے کھجوریں ختم ہونے کا انتظار کون کرے۔ اسی وقت دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بے جگری سے لڑنے لگے۔ ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

رکضاً الی اللہ بغیر زاد — الا التقی وعمل المعاد

والصبر فی اللہ علی الجہاد — وکل زادٍ عرضۃ النفاد

غیر التقی والبر والرشاد

اللہ کی جانب بغیر زادِ راہ کے رواں دواں ہوں۔ اپنا زادِ راہ تقویٰ اور آخرت میں اجر پانے کی نیت سے کیا جانے والا عمل ہے۔ راہِ خدا میں جہاد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکا ہوں اور تقویٰ، نیکی اور بھلائی کے علاوہ ہر دوسرا زادِ راہ ختم ہونے والا ہے۔

۴۔ الایمان بالقدر —— چوتھی چیز جو ایک مومن کے لئے قوت کا باعث ہے وہ اس کا تقدیر پر محکم

Marfat.com

ایمان ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جو مصیبت بھی پہنچتی ہے۔ اللہ کے اذن سے پہنچتی ہے۔ تمام انسان، جن اور دوسری جملہ مخلوقات مل کر بھی اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکیں الا یہ کہ اللہ کی مشیت بھی یہی ہو۔ قُلْ لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ مومن اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے رزق کی تقسیم ہو چکی ہے اور اس کی موت کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔

اس عقیدہ کے نتیجے میں اس کے اندر ایسی زبردست قوت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام خطرات و وساوس کا قلع قمع کر دیتی ہے اور وہ بے خوف ہو کر میدان جہاد میں کود جاتا ہے۔ کوئی پوچھے کہ بیوی بچوں کا کیا کر چلے ہو تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے۔

علینا ان نطیعہ تعالی	ہمارا فرض ہے کہ ہر حال میں اللہ کے حکم کی
کما امرنا وعلیہ ان	اطاعت کریں جیسا کہ اس نے ہمیں حکم دیا ہے
یرزقنا کما وعدنا	اور اللہ تعالی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہمیں رزق
	دے جس کا اس نے ہمارے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے

اسی طرح اگر کوئی محروم ایمان جا کر اس مرد مجاہد کی بیوی کے کان بھرے کہ دیکھو تمہیں بھوکا مرنے کے لئے پیچھے چھوڑے جا رہا ہے تو وہ مومنہ خاوند کا دامن پکڑنے کے بجائے پورے اعتماد کے ساتھ کہتی ہے۔

زوجی عرفتہ اکالا ولم اعرفہ	میں اپنے خاوند کو کھانے والے کی حیثیت
رزاقا فان ذھب الاکال فقد	سے جانتی ہوں رازق کی حیثیت سے نہیں
بقی الرزاق	اگر کھانے والا چلا گیا تو کیا ہوا رزق دینے والا
	تو موجود ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قضا و قدر پہ ایمان، انسان کو جرأت و اقدام کی صفت سے متصف کرتا ہے اس کے اندر شجاعت و بسالت پیدا کر دیتا ہے۔ اسے عظیم کارنامے انجام دینے اور خطرات میں کود جانے کی تاب و تواں بخشتا ہے اور اس کی طبیعت میں ثبات و استقامت، حلم و تحمل اور صبر و رضا کے اوصاف حمیدہ کو پروان چڑھاتا ہے۔

Marfat.com

۵۔ الایمان بالاخوۃ ۔

آخری چیز جس سے اہلِ ایمان کو احساس تقویت ہوتا ہے وہ دوسرے ایمان دار بھائیوں کا وجود ہے۔ وہ بھائی کہ جو اس کی خدمت و خیر خواہی کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ اس کی موجودگی میں ہر طرح اس کے مددگار ہوتے ہیں اور اس کی غیر حاضری میں اس کے حقوق کے محافظ، جو دکھ تکلیف میں اس کے لئے سامانِ انس اور بوقتِ لغزش اس کے دستگیر ہوتے ہیں۔ جب اس کے قوی جواب دے جائیں تو وہ اسے سہارا بہم پہنچاتے ہیں۔ جب کوئی کام کرنے لگے تو اس کے شریک کار بنتے ہیں، اور جب وہ میدانِ جہاد و قتال میں مصروف حرب و ضرب ہوتا ہے تو دوسرے اہلِ ایمان اس کے دوش بدوش لڑتے ہیں۔ ایک ہزار ایماندار جب کسی دشمن کی جمعیت پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا بلکہ ہر ایک اپنے آپ کو ہزار ہزار کی قوت سے سرشار پاتا ہے، یا بالفاظِ دیگر وہ ہزار افراد تن واحد کی صورت میں ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک لشکر دشمن کی فوج کے سامنے صف آرا تھا اور درمیان میں ایک دریا حائل تھا، سپہ سالار نے حکم دیا کہ دریا میں چھلانگیں لگا دو اور اسے پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہو جاؤ۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکرِ اسلام دریا میں تھا دوسری طرف دشمن حیران تھا کہ یہ انسان ہیں یا کوئی دوسری مخلوق۔ وسطِ دریا میں جب یہ لشکر پہنچا تو سب نے غوطہ لگایا اور دشمن نے خیال کیا کہ غرق ہو گئے۔ مگر لشکرِ اسلام پھر نمودار ہو گیا۔ دشمنانِ اسلام ایک دوسرے سے استفسار کرنے لگے یہ ماجرا کیا ہے؟ آخر انہیں پتہ چلا کہ کسی سپاہی کا پیالہ دریا میں گر گیا تھا اور وہ چیخا "میرا پیالہ"، "میرا پیالہ"۔ یہ سننا تھا کہ سب سپاہی اپنے بھائی کا پیالہ تلاش کرنے کی غرض سے پانی میں نیچے چلے گئے۔ اس ہمدردی و خیر خواہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن کی فوج سوچنے لگی ایک پیالہ دریا میں گر جانے پر یہ لوگ تعاون و ایثار کا اتنا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں تو اگر ہم نے خود ان میں سے کسی کو قتل کر دیا تو نہ معلوم یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اسی احساس نے ان کی کمر ہمت توڑ دی ان کے حوصلے پست ہو گئے اور مسلمانوں کے جذبۂ اخوت کے سامنے دشمن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا

ایمان جتنا مضبوط ہو قوت کا احساس اتنا ہی شدید ہوتا ہے

مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ پر ایمان، حق و صداقت پہ ایمان، خلود حیات پر ایمان اور قضاء و قدر اور اخوت پہ ایمان ہی درحقیقت ایک انسان کے مصادرِ قوت ہیں اب یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ مذکورہ بالا

Marfat.com

حقائق پر جتنا کسی کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی وہ خود کو قوی محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو حوصلہ شکن حالات پیدا ہو گئے تھے اور ان میں جس طرح سیدنا ابو بکرؓ نے امت کو سہارا دیا اسے دیکھتے ہوئے جناب فاروقؓ کو اعتراف کرنا پڑا۔ واللہ لو وزن ایمان ابی بکر بایمان ھذہ الامۃ رجح۔

.... "بخدا اگر ابو بکرؓ کا ایمان ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور پوری امت مسلمہ کا ایمان ترازو کے دوسرے پلڑے میں تو ابو بکرؓ کا پلڑا ہی جھکے گا۔ رسول پاکؐ کی وفات کے صدمہ سے بڑے بڑے صحابہؓ کے اوسان خطا ہو گئے تھے خود عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقتی طور پر اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اس موقع پر جناب صدیقؓ کا یہ اعلان ان کی زبردست قوت ایمانی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

من کان یعبد محمداً فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت	جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ محمدؐ وفات پا چکے ہیں اور جو خدائے واحد کا پرستار ہے (اس کے لئے خوف اور گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت اور فنا نہیں۔

جیش اسامہؓ جسے شام کی طرف بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے قبل فرما چکے تھے حضورؐ کی وفات کے بعد عام اصحاب رسولؐ اس کی روانگی کو اس احساس کے تحت موخر کر دینا چاہتے تھے کہ آپؐ کی وفات کی خبر قبائل عرب میں نہ معلوم کیا ردّ عمل پیدا کرے لہٰذا اس امر کے متحقق ہونے تک کہ وہ اسلامی حکومت کا ساتھ بھی دیتے ہیں یا نہیں، جیش روانہ نہ کیا جائے۔ مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ جناب رسالتمآبؐ کا یہ فیصلہ ہر قیمت پر نافذ کر دینا چاہتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں ابو بکر کی جان ہے اگر میرا گمان یہ ہوتا کہ درندے میری بوٹیاں نوچ لیں گے۔ پھر بھی جیش اسامہؓ کو روانہ کر کے رہتا جیسا کہ رسول پاکؐ نے اس کی روانگی کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور اگر لشکر بھیجنے کے بعد میں کہیں تن تنہا رہ جاؤں پھر بھی آپ کے فیصلہ کو نافذ کر کے رہونگا۔ غور فرمائیں سیدنا ابو بکر صدیقؓ یہ باتیں کس برتے پر کر رہے تھے؟ انہیں کس قوت و طاقت کا سہارا تھا؟ وہ تنہا تھے پھر بھی اپنے موقف پہ ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ محض قوت ایمانی کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح مرتدین و مانعین زکوٰۃ کا معاملہ جب پیش آیا تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا۔

Marfat.com

یا خلیفۃ رسول اللہ لا طاقۃ لک بحرب العرب جمیعا الزم بیتک واغلق بابک واعبد ربک حتی یاتیک الیقین۔	اے رسول اللہ کے جانشین آپ میں سارے عرب کے ساتھ لڑائی کرنے کی طاقت نہیں لہذا دروازے بند کرکے اپنے گھر بیٹھ رہیئے اور اپنے پروردگار کی عبادت کیجئے تا آنکہ موت آجائے۔

اسی قسم کی رائے جب حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آئی تو آپ نے نہایت سختی سے اس کا نوٹس لیا اور انہیں مخاطب کرکے فرمایا أجبارٌ فی الجاهلیة خوارٌ فی الاسلام یا ابن الخطاب - خطاب کے بیٹے!! جاہلیت میں تم بڑے دلیر تھے اسلام قبول کرکے بزدل ہوگئے ہو۔ یاد رکھو وحی مکمل ہوچکی ہے اور زکوٰۃ کا نصاب مقرر ہے۔ میرے جیتے جی اس میں کمی نہیں ہوسکتی۔ خدا کی قسم اگر مانعین زکوٰۃ نے مجھے اونٹ باندھنے کی رسی بھی دینے سے انکار کیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے یہ چند واقعات اس لئے نقل کئے گئے ہیں تاکہ اندازہ ہوسکے کہ مضبوط ایمان کے حامل لوگ کتنی غیر معمولی طاقت کے مالک ہوتے ہیں۔ کس طرح تن تنہا وہ بڑی بڑی جمعیتوں سے ٹکرا جاتے ہیں اور اپنے عزم محکم کی بناء پر ایک دنیا کی دنیا کے خیالات ونظریات تبدیل کرکے اسے اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں۔

یہ ایمان محکم انہیں ہر حال میں عدل وانصاف پر قائم رکھتا اور حق وصداقت کا ترجمان بنا دیتا ہے مادی سہاروں کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں باقی نہیں رہتی قوی وطاقتور ایمان ان کے قول وعمل میں اخلاص پیدا کردیتا ہے۔ خوف وحرص ان کے قریب نہیں پھٹکتا اور اپنے وقت کے جابر ومستبد حکمرانوں کو وہ پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ یہ سب باتیں محض زبانی باتیں نہیں بلکہ تاریخ کے صفحات ان سے بھرے پڑے ہیں۔

Marfat.com

العلم والایمان

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دور کا انسان جو علم کے لحاظ سے بام عروج تک پہنچ چکا ہے دین و ایمان اور مذہب کے اصول و ضوابط کا حاجت مند نہیں ہے۔ وہ مجرد علم کی بنیاد پر زندگی کا صحیح رُخ متعین کر سکتا ہے اور اپنے معاملات میں نظم و توازن پیدا کر کے بہتر طور پر جی سکتا ہے۔ نیز وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ علم کا پیش کردہ نظریۂ زندگی عقلی و نفسیاتی لحاظ سے درست ہوگا جبکہ ان کے نزدیک مذہب، ایمان بالغیب جیسے غیر علمی نظریات سے ذہنوں کے اندر خلجان پیدا ہوتا ہے۔ دوسری چیز جو ان پرستاران علم کے لئے زیادہ کشش رکھتی ہے وہ ہے حریت فرد ان کے خیال میں مذہب نے حلال و حرام کے نام سے فرد کی آزادی کو قدم قدم پر پامال کیا ہے لہٰذا جب انسان محض علم کی رہنمائی میں زندگی بسر کرے گا تو وہ اپنی آزادی کا تحفظ کر سکے گا تیسری چیز جو ان کے نظریے کے مطابق علم کے حق میں جاتی ہے وہ حیات دنیا اور اس کی ترقی کے لئے بھرپور کوشش ہے۔ کیونکہ دین، دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اس کی نظر میں تمام اہمیت عالم آخرت کو حاصل ہے پس جب ایک چیز کی قدر و قیمت کا ہی دین قائل نہیں تو وہ اس کے حصول کے لئے زور کیسے دے سکتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی میں جب زندگی بسر ہو گی تو حیات دنیا کی طرف انسان بھرپور توجہ دے سکے گا۔

یہ وہ تین امور ہیں جن کی بنیاد پر آج کا ذی علم انسان دین و مذہب سے گریزاں ہے اور ایمان کی افادیت کا منکر۔ ذیل میں ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ مذکورہ بالا دعاوی اپنے اندر کس حد تک صداقت رکھتے ہیں؟

(۱) **علم اور ایمان کے مختلف دوائرِ عمل** علم کی ایک حد ہے جہاں سے وہ آگے نہیں جا سکتا۔ یعنی مادہ اور محسوسات کی محدود دنیا۔ علم مشاہدات و تجربات کر سکتا ہے اور اپنے تجربات سے صحیح یا غلط نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حس سے ماوراء اور مادہ سے آگے کیا ہے؟ تو علم اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ علم کی رسائی حقائق اشیاء کے ایک حصہ تک ہے یعنی اس کے ظاہری پہلو تک۔ باطن کے بارے

Marfat.com

میں علم کچھ نہیں جانتا۔ موجودات اشیاء کیا ہیں اور کیسے ہیں؟ مادی چیزوں کے بارے میں علم صرف انہی سوالات کا جواب دے سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ کیوں ہیں تو اس کا جواب دینا علم کے بس کی بات نہیں یہ ایمان کا کام ہے۔ مادہ کا محرک اول کیا ہے؟ موجودات کی غایت الغایات کیا ہے۔ محسوسات و مشاہدات سے ماوراء کیا ہے اور ظاہر اشیاء کا باطن کیا ہے؟ ان سب سوالات کا نہایت شافی جواب صرف ایمان کے پاس ہے آدمی مر کے کہاں جاتا ہے؟ روح انسانی کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کا اس کائنات کے ساتھ ربط و تعلق کیا ہے؟ عالم افلاک اور سیاروں کو کس عظیم طاقت نے ایک زبردست انتظام میں جکڑ رکھا ہے؟ کیوں جکڑ رکھا ہے؟ اس کائنات کی ابتداء کب ہوئی اور اس کی انتہا کیا ہے ان تمام امور سے بحث صرف ایمان کرتا ہے۔ علم و عقل کے پر اس مقام پر جلنے لگتے ہیں۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ مجرد علم پہ انحصار کرنے والے حقائق سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو سکتے اور ان کے لئے یہ ایمان ہی کے محتاج ہیں۔ تو جس علم کی بے چارگی و کوتاہی کا یہ عالم ہے اس کے پرستاروں کی ضلالت اور حقیقت سے بُعد کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

علم کے نتائج قطعی و یقینی نہیں ہوتے علم کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس کے اخذ کردہ نتائج بلحاظ صحت قطعی و یقینی نہیں ہوتے۔ تاریخ میں علم کے ساتھ بارہا یہ حادثہ پیش آیا ہے کہ ایک وقت میں علم نے جس چیز کو مسلمہ حقیقت قرار دیا بعد کے ادوار میں وہ از قسم اوہام و اباطیل سمجھی گئی۔ اسی سلسلہ میں ایک امریکی اسکالر[1] کے تاثرات ملاحظہ کیجیئے "علوم تجربہ شدہ حقائق کا نام ہے لیکن یہ حقائق انسان کے اوہام و خیالات سے بھی متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ نیز انسان کا — ان حقائق کے ملاحظہ و وصف و استنتاج میں وقت نظر سے کام نہ لینا بھی ان پہ اثر انداز ہوتا ہے۔ بنا بریں نتائج علوم ایک تو اشیاء کی کیفیت و کمیت تک محدود ہوتے ہیں۔ دوسرے احتمالات سے شروع ہو کر احتمالات پہ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کی صحت یقینی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کی جا سکتی ہے وہ ان کا اقرب الی الصحت ہونا ہے تاہم خطاء و احتمالِ خطا سے پاک وہ بہر حال نہیں ہوتے"

علمی پختگی ایمان کی طرف رہنمائی کرتی ہے علم سے مکمل رہنمائی حاصل کرنے کے مدعی حضرات نے علم کو ایمان کے بالمقابل لا کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ علم، ایمان کا حریف نہیں نہ اس کا مدِ مقابل ہے بلکہ ایمان کی طرف رہنمائی کرنے والی ایک چیز ہے تاریخ میں بہت سے راسخین فی العلم ایسے نظر آتے ہیں جن کے علم نے

---

[1] امریکی مصنف مارٹ استانلی کونجدن کا مقالہ کتاب اللہ یتجلی فی عصر العلم میں

Marfat.com

ان کی حقیقت کی طرف راہنمائی کی ہے اور وہ اس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک برتر قوت ایسی موجود ہے جو اس کی تدبیر و انتظام فرما رہی ہے اور جس نے ہر چیز کو ٹھیک اندازے سے اس کے اصل مقام پر رکھا ہے۔ ایک عالم کے لئے اس امر کو جاننا دوسروں کی بہ نسبت آسان ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں کتنا ربط و نظم اور کتنا استحکام پایا جاتا ہے۔ اسے سموات والارض کی تخلیق میں، رات اور دن کے اختلاف میں، سمندر کے سینہ پر رواں دواں کشتیوں اور جہازوں میں اور آسمان سے نازل ہونے والے پانی میں اللہ کی بے حد و بے حساب نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ہواؤں کی گردش میں آسمانوں اور زمین کے مابین مسخر بادلوں میں اور روئے زمین پر انسانوں جانوروں اور دوسری مخلوقات کے وجود میں جو اسرار و رموز پوشیدہ ہیں اس کا علم اسے ان کی مکمل معرفت بخشتا ہے اور نتیجۃً اس کا سر خدائے حی و قیوم کی چوکھٹ پر جھک جاتا ہے۔ استاذ ہوشل رقم طراز ہے "علم میں جیسے جیسے وسعت آتی ہے ایک ازلی و ابدی خالق کے وجود پر دلالت کرنے والی براہین میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ خالق کہ جس کی قدرت کی کوئی حد و نہائت نہیں پس آج ماہرین حیاتیات، ریاضی دان، ہیئت دان اور ماہرین طبیعات نے علم کے جس عظیم الشان قصر کی تزئین کی ہے وہ درحقیقت اللہ وحدہ لاشریک کی عظمت کا قصر ہے۔"

اسی معنیٰ میں ہربرٹ سپنسر لکھتا ہے۔ "علم اوہام و خرافات کی تردید تو کرتا ہے لیکن دین کی تردید کبھی نہیں کرتا۔ آج اکثر و بیشتر علم طبیعی میں الحاد و زندقہ کی روح سرایت کئے ہوئے ہے۔ حالاں کہ علم صحیح جو حقائق کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اس روح سے قطعی طور پر بیزار ہے۔ علم طبیعی دین کے منافی نہیں بلکہ اس علم میں رسوخ پیدا کرنا اور اس کی طرف توجہ دینا تو ایک لحاظ سے عبادت کرنا ہے ایک طرح کی تسبیح خوانی ہے۔ ایسی تسبیح جو زبان کی حرکت سے نہیں بلکہ تجربہ و عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ ڈاکٹر ڈی نومی جو نہائت ذی علم طبیب ہیں علم طبیعی پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بہت سے سمجھ دار اور بزعم خود نیک نیت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاسکتے کیونکہ وہ اللہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ حالانکہ ایک علمی شوق رکھنے والا آدمی اللہ کا تصور زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کرسکتا ہے جتنا کہ وہ بجلی کے بارے میں کئے ہوئے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے بارے میں اس کے تصور کی نوعیت بالکل ناقص ہے۔ بجلی اپنا کوئی مادی وجود نہیں رکھتی بایں ہمہ ایک لکڑی کے ٹکڑے سے وجود بہر حال مادی وجود رکھتا ہے زیادہ بہتر طور پر اپنا وجود حضرت انسان سے منوا لیتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے مادی و حسی وجود پر اصرار کرنا

Marfat.com

اور ماننے کے لئے اسے شرط لازم قرار دینا ایک غیر علمی بلکہ احمقانہ حرکت ہے۔

اہلِ علم کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علم، ایمان کا بدل کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ علم صحیح ایمان کی صداقت کا شاہد عادل ہے ایمان کی منزل تک پہنچانے والی ایک روشنی ہے بجائے خود منزل نہیں۔

عقل و نفسیات کا معاملہ ایمان سے ہٹ کر جو نظریۂ زندگی خالص علمی بنیاد پر اختیار کیا جائیگا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عقلی و نفسیاتی اعتبار سے درست ہوگا لیکن واقعات اس امر کی تکذیب کرتے ہیں اور مغرب کے مادی تمدن نے بھی اس کی نفی کر دی ہے۔ مغرب کے اہلِ علم کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے تجربی علم اور فنی ترقی کی بنیاد پہ ایسا نظریۂ حیات اور ایسے اصولِ زندگی دریافت کر لیں گے جو عقلی و نفسیاتی لحاظ سے درست ہوں گے۔ برطانوی مورخ اور فلسفی ٹائن بی کی شہادت سنیئے "میں نے صنعتی فنون کی گہرائی میں ڈوب کر دیکھا تو محسوس کیا کہ ان انسانوں نے اپنی زندگی کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اور انہوں نے پرانے دیوں کی جگہ پہ کچھ نئے چراغ خرید لئے ہیں۔ یہ گمراہی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ انسانوں نے اپنی جانوں کا سودا کر لیا اور بدلے میں سینما اور ریڈیو لے لئے۔ اس تہذیبی تباہی — جس کا سبب تازہ ترین لین دین تھا — کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلب و روح کی دنیا برباد ہو گئی۔ ایسے ہی معاشرہ کو افلاطون نے خنزیروں کا معاشرہ قرار دیا تھا اور الڈس ہکسلے نے اسی کو "ایک نئے ظاہر فریب مگر تاریک باطن جہان" سے تعبیر کیا"۱؎۔ اس بحث کے اختتام پہ ٹائن بی لکھتا ہے: "اب مغرب کی نجات اس میں ہے کہ اپنے نظام معیشت سے رخ پھیرے اور دین کی طرف رجوع کرے"۔ لیکن ٹائن بی ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ اس انتقال کی صورت کیا ہو؟ وہ صرف یہ تاکید کرتا ہے "مغرب کا انسان صرف دین کی وساطت سے وہ روحانی بالا دستی حاصل کر سکتا ہے جو مادی قوت سمیت اس کی سلامتی کی ضامن ہے جسے اس وقت مغربی صنعت کے مشینی دور نے نظر انداز کر رکھا ہے۔" ڈاکٹر الیکس کیرل جنہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تجربہ گاہوں میں گزارا ہے اور جو جدید علم کا وافر ذخیرہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ رقم طراز ہیں۔ "تعجب ہے کہ دماغی امراض دوسرے تمام امراض سے زیادہ پائے جاتے ہیں اور شفاخانہ ہائے امراض دماغی پاگلوں سے بھرے پڑے ہیں اور نئے مریضوں کے لئے ان میں کوئی جگہ نہیں"۔ سس۔ و۔ بیرس کا تجزیہ یہ ہے کہ نیویارک کے ہر بائیس باشندوں میں سے ایک دماغی امراض کے ہسپتال میں داخلہ کا مستحق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کیرل مزید لکھتے ہیں

۱؎ کو کالن ولسن نے اپنی کتاب۔ سقوط الحضارۃ۔ میں اسے نقل کیا۔

Marfat.com

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شفاخانوں میں پاگلوں کا علاج بڑی توجہ سے کیا جاتا ہے جن کی تعداد دق اور سل کے مریضوں سے آٹھ گنا زائد ہوتی ہے۔ وہاں ہر سال چھیاسی ہزار کے لگ بھگ افراد دماغی امراض کے ہسپتالوں میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے لوگ پاگل ہوتے رہے تو لاکھوں کروڑوں بچے اور جوان جو اس وقت سکولوں اور کالجوں میں جاتے ہیں جلد یا بدیر انہیں نفسیاتی بیماریوں کی وجہ سے ہسپتالوں میں داخلہ لینا پڑے گا۔ ڈاکٹر موصوف ایسے ہی مزید کئی اعداد و شمار دینے کے بعد لکھتے ہیں" یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دورِ جدید کا متمدن انسان کس تباہی سے دو چار ہے اور جدید معاشرہ میں دماغی صحت کا مسئلہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دماغی امراض ہی نہایت خطرناک" یہ دق سل، سرطان اور گردہ و دل کے امراض سے زیادہ خطرناک ہیں۔ بلکہ تپ محرقہ، طاعون اور ہیضہ بھی ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ پس اسی پہلو سے ہی یہ امراض لائق اعتنار نہیں کہ ان سے مجرموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے بھی ان کے فوری سدِ باب کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کی بناء پر وہ تفوق اور برتری متاثر ہو رہی ہے جو سفید فام نسلوں کو دوسری انواعِ بشریہ پر حاصل ہے۔

اسی سلسلہ سے تعلق رکھنے والی ایک خبر ملاحظہ فرمائیے: امریکہ کی پولیس نے باغی ادبا کی ایک انجمن کے دسیوں ارکان کو گرفتار کر لیا۔ اس کا سبب شعر و ادب پر مبنی ان کی قابلِ اعتراض تخلیقات و نگارشات نہ تھیں بلکہ ان کا عیبناک رہن سہن ان کا بکثرت افیون کھانا اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کا خطرناک طور پر دفاع کرنا تھا۔ ان کی گرفتاری پر انجمن ہی کے ایک ممبر ولیم رارک نے احتجاج کرتے ہوئے کہا " زندگی تلخ و ترش ہو گئی ہے، اور لوگ مسلسل تعب و مشقت کا شکار ہیں اب اس نشہ کے روگ سے مفر کی کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ لوگ اپنے آپ کو دنیا کے خواب و خیال میں پہنچا دیں اور بیکاری و مستی کے مزے لوٹیں۔

یہ ہے وہ نفسیاتی و عقلی اعتبار سے صحیح دورِ زندگی جسے مغرب کے اہلِ علم نے دین و ایمان سے ہٹ کر دریافت کیا ہے اور جس پر جدید تہذیب و تمدن کو ناز ہے اور جس کے تلخ و تاریک نتائج کو دیکھ کر مغرب ہی کے سلیم الفکر دانشور چیخ اٹھے ہیں اور اپنے اربابِ حل و عقد کو دین و ایمان کی طرف لوٹنے کا مشورہ دے رہے ہیں

شخصی آزادی اور اس کے نتائج

ملحدانہ فکر کے علمبرداروں نے دین و ایمان کے خلاف اس لئے بھی بہت پراپیگنڈہ کیا ہے کہ مذہب انسان پر بے جا پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اور قدم قدم پر اس کی آزادی کو سلب کر لیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انہوں نے بنامِ علم جو نظریۂ زندگی پیش کیا ہے اُن

Marfat.com

کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں آزادیٔ فرد میں کہیں مداخلت نہیں کی گئی۔

جہاں تک اُن حدود و قیود کا تعلق ہے جو عقیدۂ اسلام میں انسان پہ عائد کی گئی ہیں وہ فرد کی آزادی میں مداخلت نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کے حقوق میں توازن کا قیام ہے۔ ایک شخص اگر بلا روک ٹوک خواہشِ نفس پوری کرنا چاہے تو بلاشبہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ ایک اور صاحب اگر کسی کی جیب پہ ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو ایسی آزادی کی بھی دین و ایمان میں کوئی گنجائش نہیں فضائل اخلاق کو چھوڑ کر اگر کوئی آدمی رذائل اختیار کرتا ہے تو یقیناً اس کی بھی گرفت کی جائیگی زبان کا غلط استعمال طاقت کا ناروا مظاہرہ اور دولت کا ضیاع و بے جا صرف یہ سب ایسے کام ہیں جن کے ارتکاب کی اگر کھلم کھلا اجازت دے دی جائے تو معاشرتی زندگی کا امن و سکون غارت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پس جہاں تک اس آزادی کا تعلق ہے جس سے انسانوں کے باہمی حقوق سلب ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی آزادی دین و ایمان کی رو سے حرام اور ممنوع ہے رہی وہ آزادی جو انسان کی شخصیت کی نشوونما کے لئے ضروری ہے اور جس سے دوسرے افراد کے حقوق اور مفادِ ملک و قوم متاثر نہیں ہوتا۔ اس آزادی کو نہ صرف یہ کہ مباح قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے تحفظ کی بھی پوری پوری ضمانت دی گئی ہے۔

اب آئیے ذرا اس معاشرے کی حالت کا جائزہ لیں جو خود کو علم و شعور سے بہرہ ور سمجھتا ہے اور جہاں نام نہاد شخصی آزادی پائی جاتی ہے اور دیکھیں کہ اس نے زندگی کی اعلیٰ اقدار کو کس بے دردی سے خون کر ڈالا ہے۔

(ا) ایک برطانوی سوسائٹی جو جنسی بے راہروی کا علاج سوچنے کے لئے معرضِ وجود میں آئی تھی اس کی رپورٹ یہ ہے کہ برطانیہ میں دس لاکھ افراد اور بسا اوقات اس سے بھی زیادہ لوگ جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہیں۔ (الاہرام، قاہرہ ۷ رمئی ۱۹۶۵ء)

(ب) سات کروڑ بیس لاکھ امریکی شراب پیتے ہیں جن میں سے دو کروڑ امریکی اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب ہو کر ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ (الاہرام قاہرہ ۳ مئی ۱۹۶۵ء)

(ج) سویڈش عورتوں نے جنسی آزادی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس مظاہرہ میں ملک کے ہر حصہ سے تعلق رکھنے والی خواتین نے شرکت کی جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی

Marfat.com

(اخبار الیوم قاہرہ ۲۴ / اپریل ۱۹۶۴ء)

(د) جرائم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پیشانی پہ کلنک کا داغ ہیں۔ پولیس کے رجسٹر ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ تجارتی مقامات سے خرید و فروخت کے دوران لوگوں کی خریدکردہ اشیاء یا دکانداروں کی چیزیں اچک لی گئیں اور خواتین کے بیگ تک اِن سے چھین لیئے گئے۔ دوسری طرف ایوان ہائے عدالت سلب و نہب اور قتل و خونریزی کے مجرموں سے معمور ہوتے ہیں۔

امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک جو علوم و معارف اور تہذیب و تمدن کا گہوارا سمجھے جاتے ہیں کا حال یہ ہے کہ رہائیشی علاقوں میں نصف سے زائد لوگ غروب آفتاب کے بعد گھروں سے باہر نکلتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں اور ایک ثلث کے قریب ایسے حضرات ہوتے ہیں کہ قبیلے میں کسی اجنبی کو دیکھتے ہی جن کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اور آبادی کا ایک خمس وہ اصحاب ہیں جو خوف و اضطراب کے مارے نکل بھاگنا چاہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ کدھر جائیں اور کہاں امن و سکون میسر آسکتا ہے؟ علاوہ ازیں ہر سال اِن لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے جو نقلِ مکانی کر جاتے ہیں یا اپنے گھروں اور موٹروں میں بندوقیں اور دوسرا آتشیں اسلحہ رکھنے کے اجازت نامے حاصل کرتے ہیں۔ نیز حفاظت و نگہبانی کرنے والے موٹے تازے درندہ صفت کتوں کا وجود تو گھروں کی فطری ضرورت بن چکا ہے۔

یہ سب نتائج کس بات کے ہیں؟ نام نہاد شخصی آزادی کے۔ انارکی و بے راہ روی کے اور عقیدہ و ایمان سے بے زاری کے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ بدعنوانیوں اور جرائم سے بھرپور ایسے معاشرے کو کیا کوئی نسبت ہوسکتی ہے اس پرسکون اور خوشگوار معاشرے سے جسے عقیدہ و ایمان جنم دیتا ہے جہاں کسی کی زبان اور ہاتھ دوسرے کے مال جان اور عزت پہ حملہ آور نہیں ہوتا جہاں چوری اور ڈاکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لوگ کامل یکسوئی اور اطمینان سے اپنے مال و اسباب سے بھری ہوئی دوکانیں کھلی چھوڑ جاتے ہیں۔ جہاں ہر آدمی دوسرے کو بھائی سمجھتا ہے اور اس کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

ایمان اور حیاتِ دنیا آخری سوال جو ایمان سے ہٹ کر زندگی بسر کرنے والے لوگ کرتے ہیں یہ ہے کہ عقیدۂ ایمان حیاتِ دنیا کے لیئے سعی و جد و جہد کا قائل نہیں اس کی نظر میں دنیا کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں اور وہ تمام توجہ اخروی زندگی پہ ہی مرکوز رکھتا ہے۔ اِس سوال کا جواب یہاں از سر نو شرح و بسط سے

Marfat.com

دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک گذشتہ باب میں "ایمان کے محسوس نتائج" کے زیرِ عنوان ہم اس پہ کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایمان پر مبنی تعلیمات دنیا کی زندگی کے لئے بھی اسی طرح رہنما اصول ہیں جس طرح کہ آخرت کے لئے۔ دنیوی زندگی کے مسائل و مشکلات کا ان میں حل بتایا گیا ہے اور ان سے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر آخر اس سوال میں کیا معقولیت ہے کہ ایمان حیاتِ دنیا سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ زیرِ نظر کتاب "الایمان والحیٰوۃ" کے سینکڑوں صفحات میں جن امور کو زیرِ بحث لایا گیا ہے ان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہی تو ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حیاتِ دنیا اور اس کے سر و سامان سے وہ مجنونانہ وابستگی کا قائل نہیں کیونکہ یہ چیزیں بہرحال ناپائدار اور فانی ہیں تاہم ایک دانا و بینا شخص کو زوال پذیر اور فنا انجام اشیاء سے ان کی افادیت کے پیشِ نظر جتنا تعلق رکھنا چاہیئے اور ان کے حصول کے لئے مناسب حد تک جتنی سرگرمی دکھانی چاہیئے ایمان اس کا ضرور قائل ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔

الایمان والاصلاح

قوموں اور جماعتوں کی اصلاح بغیر کسی اصول وضابطہ کے محض اتفاقات کے تھپیڑوں سے نہیں ہو جایا کرتی جو قومیں گرنے کے بعد سنبھلنے اور اضمحلال کے بعد اپنے اندر قوت وتوانائی پیدا کرنے کی آرزو مند ہوتی ہیں وہ اپنے سامنے تربیت واصلاح کا واضح پروگرام اور عزم رکھتی ہیں جن پہ عمل پیرا ہوئے بغیر وہ رفعت اور سربلندی کا کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ قرآنِ مجید میں اِس اصول کی بڑے صاف الفاظ میں یوں نشاندہی کی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدلے۔

مگر اپنی حالت کو بدلنے والی بات بہت مشکل ہے۔ دریاؤں کے رخ بدلنے آسان ہیں، زمین کا سینہ شق کرنا اور پہاڑوں کے جگر چھید ڈالنا ممکن ہے مگر قلوب ونفوس کے اندر تبدیلی بہت ہی مشکل ہے۔

اِس ناممکن کو ممکن بنانے والی قوت صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت۔ عُلمائے نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی تربیت واصلاح کا ایک معین وقت ہوتا ہے یعنی سن الطفولۃ۔ اگر یہ وقت گذر جائے تو پھر تکوین عادات اور تہذیب واخلاق کی کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ اِسی طرح وہ اِس امر کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں کہ آدمی جس ماحول میں پیدا ہوتا، بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے۔ وہ بھی اِس کے بناؤ بگاڑ کا بہت حد تک ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن ہم جس قوتِ ایمانی کا ذکر کر رہے ہیں اِس کی معجز نمائی وکارفرمائی ہر آن مسلم ہے۔ چاہے آدمی عمر کے کسی مرحلہ میں داخل ہو اور چاہے اس کے حالات اس کی تبدیلی کی راہ میں سنگ گراں بن کر کھڑے ہوں، ایمان کی ایک لہر ہی اس کے دل ودماغ کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

دربارِ فرعون سے وابستہ جادوگروں کی قلب ماہیت کو دیکھ لیجئے۔

Marfat.com

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ
عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ
بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ
وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ
يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ۝ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ
لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ۝ وَقِيلَ لِلنَّاسِ
هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ
إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ
قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا
لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ
أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝ فَأَلْقَوْا
حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَأَلْقَىٰ
مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَأْفِكُونَ ۝ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا
آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَ
هَارُونَ ۝ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ
آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ
لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ
خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوا
لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝

فرعون اپنے گرد و پیش کے سرداروں سے بولا یہ
شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے
کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک
سے نکال دے اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو انہوں
نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو روک لیجئے
اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر جادوگر
کو آپ کے پاس لے آئیں چنانچہ ایک مقررہ
وقت پہ جادوگر اکٹھے کر لئے گئے اور لوگوں سے
کہا گیا کہ تم اجتماع میں چلو گے شاید کہ ہم جادوگروں
کے دین ہی پہ رہ جائیں اگر وہ غالب رہے
جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون
سے کہا ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے
اس نے کہا ہاں اور تم تو اسی وقت مقربین میں شامل
ہو جاؤ گے۔ موسیٰؑ نے کہا پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے
انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک
دیں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں
گے پھر موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ
ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا اس پر
سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے
اور بول اٹھے کہ مان گئے ہم رب العالمین کو موسیٰؑ
اور ہارون کے رب کو۔ فرعون نے کہا تم موسیٰؑ
کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت
دیتا ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو

Marfat.com

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

(الشعراء - ۴۳ تا ۵۱)

سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی پہ چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کچھ پرواہ نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ کہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں

غور کیجئے اِن کی شخصیات کیسے بدل کر رہ گئیں۔ کتنا بڑا اصلاحی انقلاب آناً فاناً اِن کے اندر برپا ہو گیا۔ کہاں اِن کی سوچ کا یہ انداز کہ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ (ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے) اور کہاں یہ بلندئ فکر کہ لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ (ہم تجھے کبھی ترجیح نہیں دے سکتے اُن روشن دلائل پہ جو ہمارے پاس آ چکے) اور پہلی نیازمندی کے مقابلے میں ذرا بعد کی جرأتِ ایمانی کے تیور دیکھیے فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ) تو ہمارے خلاف جو بھی فیصلہ کرنا چاہے کر لے۔

آج مغربی تاریخ دان حیران ہیں کہ باشندگانِ عرب جو بکریاں چرایا کرتے تھے۔ قوموں اور ملکوں کے حکمران کیوں کر بن گئے۔ بادیہ نشین تمدن وحضارۃ کے رموز کیسے پا گئے اور انہیں فتح ونصرت کا کون سا گُر ہاتھ آ گیا تھا کہ قیصر وکسریٰ کی باجبروت حکومتوں کے تختے الٹنے میں کامیاب ہو گئے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اِس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اور وہ راز بھی زیادہ دیر تک راز نہیں رہا بلکہ سرِّ عیاں ہو چکا ہے۔ عربوں کی کایا پلٹ دینے والی چیز اکسیرِ ایمان تھی جس کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی زندگیوں میں محیر العقول انقلاب پیدا کیا۔ اِسی اکسیر کی بدولت اِن کے حالات میں تغیر رونما ہوا اِن کی انفرادی واجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ بتوں کے پوجنے والے خدا پرست بن گئے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں کے سینے نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔

اقفالِ حیات کے لئے واحد کلید | حیاتِ انسانی کا عظیم الشان قصر ہر طرف سے مقفل تھا اور اِس کے در وا ہونے کی کوئی صورت نظر [illegible] آتی [illegible] انسانی مقفل تھی جسے حکماء و فلاسفر کھولنے سے عاجز تھے ضمیرِ انسان مقفل تھا اور واعظین و مرشدین اِس کا تالا توڑنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ دل و دماغ مقفل تھے جنہیں حوادثِ زمانہ کے تھپیڑے تک کھول نہ سکے تھے۔ مواہب وعطایا مقفل تھے اور کوئی تعلیم وتربیت

Marfat.com

ان پر اثر انداز نہ ہو رہی تھی۔ مدرسہ مقفل تھا جسے کھولنے پر اساتذہ و علماء قادر نہ تھے۔ خاندانی نظام مقفل تھا اور اس کے آگے مصلحین و مفکرین کی کوئی پیش نہ چلتی تھی۔ قصرِ حکومت مقفل تھا جسے مظلوم عوام محنت کش کسان اور غریب مزدور اپنی متحدہ کوشش سے کھول نہ سکتے تھے۔ دولت مندوں کے خزانے مقفل تھے اور ان کے قفل غریبوں کی بھوک اور عورتوں اور بچوں کی برہنگی توڑ نہ سکتی تھی عظیم مصلحین نے بارہا یہ کوشش کی کہ ان تالوں کو توڑ دیا جائے تاکہ انسانیت کو زندگی کی حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کیا جاسکے مگر بارہا انہوں نے منہ کی کھائی۔

حیاتِ انسانی کی اس مشکل کو بڑے بڑے دار الحکومتوں میں حل نہ کیا جاسکا۔ عظیم الشان یونیورسٹیاں اور درسگاہیں اس سے عاجز آگئیں تو اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی غار میں فروکش انسانیت کے ایک عظیم محسن کے ہاتھ پر اس مشکل کو آسان کر دیا گیا اور تمام اقفالِ حیات کی کلید ان کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔ یعنی ایمان باللہ والرسول والیوم الآخرہ کی شاہ کلید جس نے ایک ایک قفلِ حیات کو کھول دیا۔

اس کلید نے عقلِ انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ انفس و آفاق میں اللہ کی بے شمار نشانیاں دیکھنے کے قابل ہو گئی اور شرک و بت پرستی کی برائی کو محسوس کرنے لگی۔ اس نے خوابیدہ ضمیرِ انسانی کا قفل کھول دیا اور وہ بیدار ہو گیا اور شعورِ حقیقت سے بہرہ ور ہو کر خوب و نا خوب میں امتیاز کرنے لگا۔ اس نے ان دلوں کے قفل کھول دیئے جو نہ کسی چیز سے عبرت پکڑتے تھے نہ زجر و توبیخ کا کوئی اثر ان پر ہوتا تھا اور نہ نرمی و رقت ان میں پیدا ہوتی تھی مگر ایمان باللہ کی کلید کے استعمال سے ان کے اندر خشوع و خضوع پیدا ہوا اور وہ حوادثِ روزگار سے عبرت پکڑنے لگے۔ کسی مظلوم کو دیکھتے تو اُن کے دل کے اندر ارتعاش پیدا ہو جاتا اور ضعیف و ناتواں پر نظر پڑتی تو جذباتِ رحم و شفقت سے مملو ہو جاتے۔ اس سے پہلے حیاتِ انسانی کا دامن اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور دیگر مواہبِ قوی سے معمور تو تھا مگر یہ تمام استعدادیں مقفل تھیں۔ ایمان باللہ کی کلید نے یہ اعجاز دکھایا کہ انسان کی جملہ مخفی استعدادیں اجاگر کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے اقوام و ملل کے پاسبان بن گئے۔ نیابتِ الٰہی سے ہمکنار ہو کر عالم پر حکمرانی کرنے لگے اور جو قبیلوں کے سردار تھے وہ ممالک و دول کی قیادت و سیادت پر فائز ہو گئے۔ اس کلید نے درسگاہوں اور دانشکدوں کے قفل کھول دیئے اور دنیا کو علم کے شرف سے آگاہی نصیب ہوئی اور عالم و متعلم اور مربی و

معلّم کے تفضل وتفوق پر رشک کرنے لگی۔ گھر گھر تدریس وتعلیم کی مسند بچھ گئی اور ہر بوڑھے اور نوجوان کے لیئے زیورِ علم سے آراستہ ہونا ضروری ٹھہرا۔ اِسی کلید نے عدل وانصاف کے مقفل ایوان تک اہلِ علم کو رسائی بخشی چنانچہ حکام وقضاۃ عدل وانصاف اور پوری احساسِ ذمہ داری کیساتھ اپنے فرائض ادا کرنے لگے اور مظلوموں اور ستم کشوں کے دن پھر گئے اور ظلم وجور سے معمور خدائی، رحمتِ الٰہی کا گہوارہ بن گیا۔ اِس کلید کے ہاتھ لگنے سے پہلے خاندانی نظام تہ وبالا تھا۔ بیٹا باپ کے حقوق پہ دست درازی کر رہا تھا اور بھائی بھائیوں کو لوٹنے کے درپے تھا۔ مزید یہ آں خاندانی نظام کا یہ فساد معاشرہ تک متعدی ہو چکا تھا۔ آقا خادموں پہ ستم توڑ رہے تھے اور بڑے چھوٹوں پہ۔ ان حالات میں ایمان باللہ کی کلید نے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق یاد دلائے اور ان کا تحفظ کرنا سکھایا، باہمی رحمت ومودّت پر تعلقات استوار کیئے۔ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر دلوں پر مسلط کی اور اس حقیقت کا گہرا شعور بخشا کہ آدمیت، انسانیت کے احترام اور انسانیت کی خدمت کا نام ہے۔ معاشرتی زندگی کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں انہیں پھر سے کس دیا اور معاشرہ میں عدل واخوت کی روح دوڑادی، خیر خواہی وہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم بن گیا اور امرأ واغنیاء نے اپنی دولت کا رُخ غربا ومساکین اور محروم لوگوں کی طرف پھیر دیا۔

قصّہ مختصر یہ کہ افرادِ معاشرہ کی اصلاح کے لئے جتنا مؤثر کردار ایمان ادا کرتا ہے اور کوئی چیز نہیں کرتی لہذا جس طرح کلیدِ ایمان سے سینکڑوں سال پہلے معاشرہ مبدل بہ اصلاح ہوگیا تھا۔ اسی طرح دورِ جدید کے تمام مشکل مسائلِ حیات کو بھی ایمان کی بنیاد پر حل کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ جدید مسائلِ حیات کے لئے یہ قدیم کلید کارآمد نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ مسائل جدید ہیں اور نہ اُن کے حل کے لئے کسی جدید کلید کی ضرورت ہے کیونکہ ؂

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصّۂ جدید وقدیم!

زندگی کے مسائل جو آج سے ہزاروں سال پہلے تھے وہی آج بھی فکرِ انسانی پہ تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ فرق جو کچھ پڑا ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ یہ مسائل نئے رنگ میں سامنے آئے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال پہلے انسان کو امن کی ضرورت تھی اور آج بھی انسان اِس کا بشدت ضرورت مند ہے آفاتِ ارضی وسماوی، دکھ تکلیفیں اور بیماریاں پہلے بھی انسانوں کو لاحق تھیں اور آج بھی ہیں۔ انسان ایک دوسرے

Marfat.com

کے حقوق پر پہلے بھی ڈاکہ ڈالتا تھا اور آج اس تہذیب و تمدن کے روشن دور میں بھی یہ ڈاکہ زنی عام ہے۔ جھوٹ، مکر و فریب، وعدہ خلافی و بدعہدی جیسے اوصاف رذیلہ اُس زمانے میں بھی انسان کے لئے مضر تھے جب وہ اونٹوں اور گدھوں پر سواری کرتا تھا اور آج بھی جب کہ وہ کاروں اور جیٹ طیاروں میں سفر کرتا ہے ان کی مضرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ظلم و جور، انسانوں کا انسانوں کے ہاتھوں استحصال پتھر کے زمانے میں بھی ہوتا تھا اور آج بھی جب ایٹم کا دور ہے استبداد و استحصال پر مبنی کاروائیاں جوں کی توں ہیں۔ خدا کے خوف سے عاری لوگوں اور انبیاء و رسل کی تعلیمات سے انحراف کرنے والوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی اور آج بھی کمی نہیں۔ مرد و عورت اور فرد و معاشرہ کے تعلقات میں عالمِ انسانی افراط و تفریط کا پہلے بھی شکار رہا ہے اور آج بھی ہے لیکن جب زندگی کے مسائل اپنی حقیقت کے اعتبار سے پرانے ہی ہیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اگر ان کا علاج بھی وہی اختیار کر لیا جائے جو صدیوں سے شافی ثابت ہو رہا ہے۔ یعنی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

صفتِ ایمان سے متصف افراد ہی درحقیقت اصلاح یافتہ افراد ہوتے ہیں جن سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور صالح معاشرہ ہی اصلاحِ افراد کا بھی ضامن ہوتا ہے۔ اس طرح ایمان افرادِ معاشرہ کو بیک وقت صالح و مصلح کی سی حیثیت دے کر معاشرتی زندگی کے اردگرد ایک زبردست حصار قائم کر دیتا ہے جو اس میں سے ایمان و اصلاح کے عنصر کو کبھی خارج نہیں ہونے دیتا۔

ان گزارشات کا ماحصل یہ ہے کہ نوعِ بشری کے لئے واحد اور منفرد راہِ نجات راہِ ایمان ہی ہے مسلمانوں کے لئے تو اس کی حیثیت رگِ جان سے بھی زیادہ ہے۔ اسی راہ پر چل کر وہ اپنے مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی امنگوں اور ارمانوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ انہیں آخرت مطلوب ہو تو ایمان کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔ دنیا مطلوب ہو تو اس کے حصول کا راستہ بھی یہی ہے۔ دونوں کی طلب ہو تو ایمان اس کی بھی ضمانت دے سکتا ہے۔ جہاں تک ایمان کے ذریعے اخروی سعادت کے حصول کا تعلق ہے اس امر کی وضاحت ہم کسی دوسرے موقع پر اٹھا رکھتے ہیں۔

لیکن جہاں تک دنیا اور اس کے آمال و مقاصد کی تکمیل کا تعلق ہے اور جہاں تک دنیا میں حصول سعادت کا تعلق ہے اس مطالعہ کے دوران ہم پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ یہ سب کچھ ایمان ہی کی بدولت ممکن ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی سبیل نہیں۔

Marfat.com

اگر ہم انفرادی زندگی کی سعادت و خوش بختی کے طالب ہیں تو وہ اطمینانِ قلب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور طمانیتِ قلب کا حصول ایمان کے بغیر کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اگر ہمیں طہارت و نظافت مطلوب ہو تو معلوم ہے کہ یہ چیز استقامت کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور استقامت ایمان کے بغیر نہیں ملتی۔ اگر ہم اجتماعی استحکام و وابستگی چاہتے ہیں تو اس استحکام کے لئے مواخات ضروری ہے اور مواخات کے لئے ایمان ناگزیر ہے۔ اگر دشمن پر غلبہ و استیلاء اور فتح و نصرت ہمارا مقصود ہو تو نصرت بہادری سے، بہادری قربانی سے اور قربانی ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہمیں اقتصادی خوشحالی درکار ہے تو خوشحالی کوشش پیداوار کے بغیر اور پیداوار اخلاق کے بغیر اور اخلاق ایمان کے بغیر محض حکایت تشنہ و سراب ہے۔ اگر ہمیں صنعتی اور صنعیاتی ترقی مطلوب ہے تو ترقی اخلاص کے بغیر، اخلاص متعین مقصد کے بغیر اور زندگی کے کسی متعین مقصد کا ایمان کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اپنی زندگی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اصلاح تزکیۂ نفس کے بغیر، تزکیۂ نفس عزم صمیم کے بغیر اور عزم صمیم ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔

ایمان ہی قوتِ اخلاق اور اخلاقِ قوت ہے۔ یہی روحِ حیات اور حیاتِ روح ہے۔ سرِّ عالم اور عالمِ اسرار ہے، جمالِ دنیا اور دنیائے جمال، نورِ راہ اور راہِ نور ایمان ہی ہے۔

• ایمان مسافر کے لئے شگفتہ و شاداب وادی، ناخدا کے لئے روشن ستارہ، حیران و پریشان انسان کا رہنما، کارگاہِ حیات میں جدوجہد کرنے والے کے لئے موثر ہتھیار، غریب الدیار کا رفیق اور وحشت زدہ کا انیس ہے ایمان قوی اور زور آور کے لئے لگام اور ضعیف و ناتواں کے لئے سرمایۂ قوت ہے۔

ایمان جرأت و شجاعت پیدا کرنے والا، حیرت انگیز انقلاب برپا کرنے والا، بند دروازوں کو کھولنے والا اور ہر چہار جانب رہنمائی کرنے والا روشن مینار ہے۔

ایمان ——— بجائے خود ایک کلمہ ہے لیکن حیاتِ انسانی کے لئے شاہ رگ، فرد کے لئے اطمینانِ قلب کا ایک سہارا اور معاشرے کے لئے ایک مضبوط بنیاد اور اساس ہے تاکہ اس میں سکون قرار پیدا ہو۔ ضبط و نظم پیدا ہو اور انسان بہتر اور شاد کام زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے۔

اور ایمان سے ہماری مراد دینِ اسلام کا پیش کردہ ایمان ہے۔ قرآن و سنت کا ایمان اور صحابہ و تابعین کا ایمان جو عرفانِ الٰہی، حسنِ نیت و اعتقاد اور عملِ صالح سے عبارت ہے۔ وہ عقلی ایمان نہیں جو متکلمین کے ہاں ملتا ہے۔ نہ وہ روحانی ایمان جو اہلِ تصوف کا خاصہ اور نہ وہ خشک ظاہریت پر مبنی ایمان جو جمود پرست

Marfat.com

فقہاء کے ہاں پایا جاتا ہے۔

ہمارا مطلوبہ ایمان محض ایک شعار اور دعوت ہی نہیں بلکہ وہ ایک مکمل اسلوبِ حیات ہے فرد کے لئے بھی اور قوم کے لئے بھی۔ نہایت تیز روشنی ہے جو فرد کی دنیائے فکر و ارادہ کو منور کرتی ہے اور جب اس کی شعاعیں معاشرہ پہ پڑتی ہیں تو اس کی رگوں میں خونِ زندگی دوڑنے لگتا ہے اس کے رگ و پے میں امن و عافیت سرایت کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ مریض ہوتا ہے اور دوائے ایمان اسے شفایاب کر دیتی ہے بلکہ وہ مر چکا ہوتا ہے اور اکسیرِ ایمان اسے حیاتِ نو بخش دیتی ہے۔ بیج ہے کہ ایمان رموزِ الٰہی کا رازدان ہوتا ہے وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے ہو تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔

حقیقی ایمان پوری زندگی پر اپنے نقوش و اثرات مرتب کرتا ہے اور اسے صبغۃ اللہ میں رنگ دیتا ہے۔ انسان کے افکار و نظریات، اس کے جذبات و اطوار سب اطاعتِ الٰہی اور بندگیٔ رب کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا جس پہ یہ رنگ گہرا نہ ہو۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ــــ وہ قوم جو ایمان سے منور زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔ اسے اپنے جملہ اصول و مناہج تقاضائے ایمان کے مطابق بدلنا ہوں گے اور ہر اس چیز سے دستکش ہونا پڑے گا جو نورِ ایمان کا راستہ روکنے والی ہو۔ اگر کوئی قوم یہ قربانی نہیں دیتی مگر اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتی چلی جاتی ہے تو اس کے اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے

اے اللہ امتِ مسلمہ کی صراطِ ایمان کی طرف رہنمائی فرما۔

صِرَاطَ الَّذِینَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ آمین۔ الٰہ الحق آمین

(کتابت) نادر رقم آبادی چاہ چوہاناں والا گوجرانوالہ

جناب عبدالحمید صدیقی

کے حقیقت نگار قلم سے!

انسانیّت کی تعمیرِ نو اور اسلام

اس ایڈیشن میں فاضل
مصنف نے بہت سی
ترامیم اور اضافے کئے
ہیں۔

قیمت مجلد ۲۵/ روپے

اسلامک پبلشنگ
ھاؤس
لاہور

Marfat.com

اسلامک پبلشنگ ہاؤس کی تازہ ترین شاہکار کتب

فتح الباري (عربی) حافظ ابن حجر عسقلانی ۱۴ مجلدات -/۱۷۵۰

بشرح صحیح البخاری

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی محدثانہ تحقیق کا عظیم شاہکار

۲۔ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز نے اس ایڈیشن کی تصحیح کی۔

۳۔ محمد فواد عبدالباقی نے متن صحیح کی احادیث، ابواب اور کتب کی نمبرنگ کی ہے

۴۔ مقدمہ سمیت ۱۴ جلدوں میں نہایت آب و تاب کیساتھ شائع کی گئی ہے

کاغذ، طباعت اور تجلید کے اعتبار سے ایک یادگار اور لاجواب ایڈیشن۔

ہدیہ مکمل سیٹ -/۱۷۵۰ روپے ہے۔ تاجران کتب کے لئے خصوصی رعایت

نصب الراية لاحاديث الهداية علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی کی بلند پایہ عربی کتاب ہے۔ جس میں فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کی احادیث کی تحقیق و تخریج کی گئی ہے۔ یہ علمی شہکار عرصہ سے نایاب تھا۔ اب مجلس علمی کراچی کی اجازت سے ادارہ نے اسے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ آفسٹ پیپر پر بہترین طباعت کے ساتھ چار جلدوں میں ہدیہ مکمل سیٹ -/۴۵۰ روپے

التحبير في علم التفسير علامہ سیوطی کا یہ نایاب شہکار بزبان عربی حال ہی میں مخطوطے سے طبع کیا گیا ہے جس کی تحقیق و تقدیم دکتور فتحی عبدالقادر فرید نے کی ہے اس کتاب میں امام نے جملہ تفسیری مباحث پر نہایت حسن و خوبی اور اختصار کیساتھ کلام فرمایا ہے اہل علم کیلئے ایک گرانقدر تالیف ہے جسے آفسٹ پیپر پر حسین وجمیل انداز میں پیش کیا گیا ہے ہدیہ مجلد روپے

تذكرة الحفاظ (اردو) حفاظ حدیث کے حالات کے امام ذہبی کی اس عظیم تالیف کا اردو ترجمہ شیخ الحدیث حافظ محمد اسحٰق مدظلہ نے کیا ہے صفحات ۱۲۰۰ سفید امپورٹڈ پیپر ۴ اجزاء، دو جلدوں میں مجلد ◎ قیمت مکمل سیٹ -/۲۰۰ روپے

Marfat.com

فہرست مطبوعات عربی

المغنی فی ضبط اسماء الرجال عربی ٹائپ	الشیخ محمد طاہر ہندی	غلاف	۴۰/-
تقریب التہذیب	ابن حجر العسقلانی	مجلد	۸۴/-
جامع البیان فی تفسیر القرآن (جزئین)	الشیخ معین الدین بن صفی الدین	مجلد واحد	۲۲۵/-
بلوغ المرام مع تعلیقات عربی	ابن حجر العسقلانی	غلاف	۴۰/-
مختصر الفتاوی المصریۃ	محمد بن علی الحنبلی	مجلد	۱۰۰/-
کلمات القرآن	محمد حسنین مخلوف	غلاف ۲۵ مجلد	۳۰/-
مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب جزئین	ابن ہشام	مجلد	۱۲۰/-
شرح المعلقات السبع	مولانا محمد اسمٰعیل	غلاف	۴۰/-
شرح المعلقات السبع	زوزنی	غلاف	۲۰/-
العلل المتناہیۃ (جزئین)	امام ابن الجوزی	مجلدین	۱۸۰/-
ایقاظ ھمم اولی الابصار	صالح بن محمد الفلانی	غلاف	۳۰/-
جوامع السیرۃ	امام ابن حزم	مجلد	۹۰/-
کتاب المحبر	محمد بن حبیب	مجلد	۱۲۵/-
تلخیص الحبیر (۴- اجزا)	ابن حجر العسقلانی	مجلدین	۱۸۰/-
مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	مولانا عبید الرحمن مبارکپوری	۶ مجلدات	۹۰۰/-

دار نشر الکتب الاسلامیہ (اسلامک پبلشنگ ہاؤس)

۲- شیش محل روڈ (متصل داتا دربار نزد بھاٹی چوک) لاہور

Marfat.com

فہرست مطبوعات عربی

سنن الدار قطنی ٤ اجزاء	امام دارقطنی	مجلدین	-/٢٥٠
فتح الباری مع مقدمہ ہدی الساری ١٤ اجزاء	ابن حجر العسقلانی	١٤ مجلدات	-/١٧٥٠
الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ	ابن حجر العسقلانی	مجلد	-/١٠٠
اَدب المفرد	امام بخاری	مجلد	-/٦٠
المفصل	امام زمخشری	مجلد	-/٧٥
جواب اہل السُنۃ والنبویہ	محمد بن عبدالوہاب	غلاف	-/٣٦
تدریب الراوی	امام سیوطی	مجلد	-/١٠٠
کلیلۃ و دمنہ	ابن المقنع	مجلد	-/٧٥
بضع رسائل فی التوحید والایمان	محمد بن عبدالوہاب	غلاف	-/٣٠
فی الرد علی القبُوریین	محمد بن ناصر الحنبلی	غلاف	١٣/٥٠
بیان المحجہ فی الرد علی اللجہ	جسن بن محمد بن عبدالوہاب	غلاف	-/١٢
کشف شبہ اہل الضلال	حسن بن محمد بن عبدالوہاب	غلاف	-/١٠
النحو الواضح (تین اجزاء)	علی الجارم۔ مصطفیٰ امین	غلاف	-/٤٠
تیسیر مصطلع الحدیث	دکتور محمود الطحان	غلاف	-/٣٦
المنتقیٰ مع تحفۃ المودود	لابن الجارود	مجلد	-/٩٠

نیز علامہ ناصر الدین البانی کی جملہ کتب بھی ہم سے طلب فرمائیں

دار نشر الکتب الاسلامیۃ (اسلامک پبلشنگ ہاؤس)

۲۔ شیش محل روڈ (متصل داتا دربار نزد بھاٹی چوک) لاہور

Marfat.com

فہرست مطبوعاتِ اردو

ایمان اور زندگی	عبدالحمید صدیقی مرحوم	۱۵/-
انسانیت کی تعمیرِ نو اور اسلام	" " "	۲۵/-
امام ابن تیمیہ	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	۳۰/-
رسولِ اکرمؐ کی نماز	مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم	۱۲/۵۰
فقہائے سبعہ	مولانا حافظ محمد اسحٰق	۱۲/-
رمضان المبارک مقصد خصوصیات نتائج و ثمرات	مولانا عبدالغفار حسن	۳/-
مسئلہ حیات النبیؐ	مولانا محمدؐ اسمٰعیل	۹/-
عمدۃ الاحکام (مترجم)	الشیخ عبدالغنی مقدسی ترجمہ حافظ محمدؐ اسحٰق	۲۵/-
حجیتِ حدیث	مولانا محمدؐ اسمٰعیل مرحوم	۲۵/-
تذکرۃ الحفاظ (اردو)	حافظ ذہبی	۲۰۰/-
دستور المتقی فی احکام النبیؐ	مولانا محمدؐ یونس قریشی دہلوی	۳۶/-
فتاوائے مولانا محمدؐ اسمٰعیل مرحوم		(زیرِ طبع)
تقاریر بخاری	حضرۃ العلام حافظ محمد گوندلوی	(زیرِ طبع)
مولانا ظفر علیخاں	عنایت اللہ نسیم	۶۰/-
شیطان کو شکست دیجئے	نگہت بانو ڈار	۷/۵۰

اسلامک پبلشنگ ہاؤس (دار نشر الکتب الاسلامیۃ)
۲- شیش محل روڈ (متصل داتا دربار نزد بھاٹی چوک) لاہور

Marfat.com